فقرِ غیور

محمد اشفاق چغتائی

Marfat.com

Marfat.com
Marfat.com

فقرِ غیور

محمد اشفاق چغتائی

نستعلیق مطبوعات

F-3 الفیروز سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0300-4489310

E-mail: nastalique@yahoo.com

Marfat.com
Marfat.com

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ ○

القرآن

81655

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

اشفاق فاؤنڈیشن انٹرنیشنل

مصنف: محمد اشفاق چغتائی

اہتمام : اسد مصطفیٰ

ناشر: حسن محمود

سرورق: منصور آفاق

کمپوزنگ: آصف حمید

ڈیزائننگ: محمد رؤف

مطبع : امجد پرنٹنگ پریس

اشاعت: نومبر 2007

تعداد: 500

قیمت: 200 روپے

بیرون ملک: 15 امریکی ڈالر

نستعلیق مطبوعات

F-3 الفیروز سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

0300-4489310

E-mail: nastalique@yahoo.com

Marfat.com
Marfat.com

انتساب

قاری کے نام

نہ از ساقی نہ از پیمانہ گفتم
حدیثِ عشق بے باکانہ گفتم
شنیدم آنچہ از پاکانِ امت
ترا با شوخیٔ رندانہ گفتم

Marfat.com
Marfat.com

دنیا اگر دہند نہ جنبم زجائے خویش!
من بستہ ام حنائے محبت بپائے خویش

(بوعلی قلندر شرف)

Marfat.com
Marfat.com

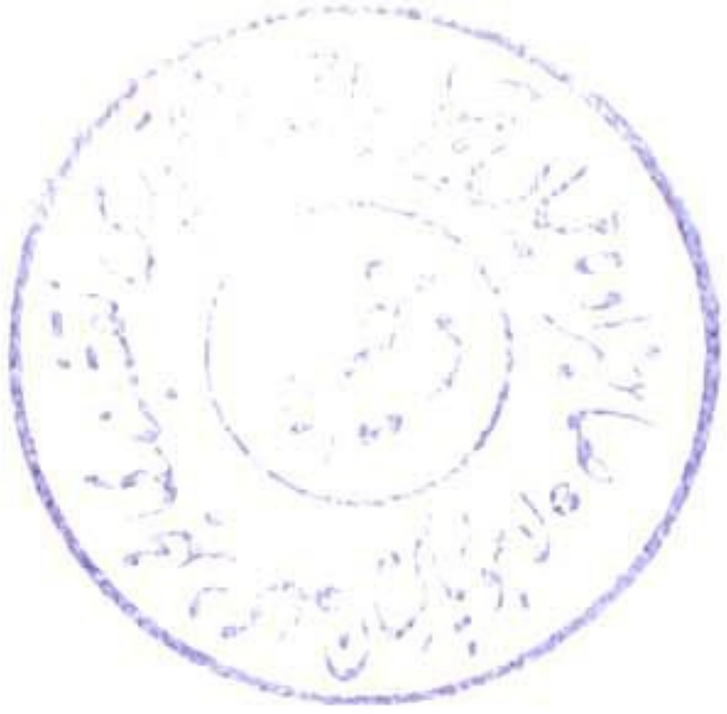

فہرست

	عنوانات		صفحہ
	دیباچہ	ڈاکٹر سلیم اختر	7
باب اول	تر دماغوں اور بیدار دلوں کے نام		13
	فقر		19
	اسرار خودی		27
باب دوم	مراحل تربیت خودی		63
	ضبط نفس		68
	فقر و جہاد لازم و ملزوم ہیں		76
باب سوم	تکمیل خودی		79
	مقام فقر، نیابت الٰہی		81
	طالب و مطلوب		84
	فقر توحید کا مترادف ہے		92
باب چہارم	عشق		99
	فقر و رہبانی		108
	فقر کی بے نیازیاں		125

Marfat.com

Marfat.com

غیرتِ فقر	136
دلنوازی ہائے فقر	138
صاحب فقر	141
صاحب فقر، صاحب جنوں	148
صاحب فقر متوکل علی اللہ ہوتا ہے	157
صاحب فقر پیکر تسلیم و رضا ہوتا ہے	159
فقر و شاہینی	163
اقبال اور مرد فقیر	168
فقر و تصوف	174
اصل تصوف	176
تصوف کے لوازمات	177

Marfat.com
Marfat.com

دیباچہ

جب محمد اشفاق چغتائی کی ''فقرِ غیور'' کا مطالعہ کیا تو اولین احساس یہ تھا:

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

ہم تو سمجھتے تھے کہ مذہب کے نام پر حاصل کئے گئے ملک میں اور سب کچھ مل سکتا ہے لیکن مذہب اور اس کی حقیقی روح نہ ملے لیکن ''فقرِ غیور'' نے ثابت کر دیا کہ -- ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں!

''فقر'' کے دو معانی ہیں ایک حقیقی اور درست یعنی اللہ جس حال میں رکھے اس میں اس کا شکر بجالانا اور طمع سے احتراز۔ جبکہ دوسرے غلط مگر مقبول معنی فقیری' گداگری اور ہاتھ پھیلانے کے ہیں۔ فقر کا حامل فقیر جب اپنے اعلیٰ منصب سے گرا تو کشکول بدست نظر آیا۔

حضرت داتا گنج بخش نے ''کشف المحجوب'' میں فرمایا:

''خدا نے نعمت پر شکر کرنے کا حکم دیا اور شکر نعمت کو زیادتی نعمت کا سبب قرار دیا ہے پھر فقر پر صبر کا حکم دیا اور صبر کو زیادتیٔ قرب کا ذریعہ گردانا ہے۔''

یہ ہے کردار و عمل کا وہ آئیڈیل جس سے روگردانی کی تو ذلت مقدر قرار پائی اور بقول محمد اشفاق چغتائی:

'' آج ہماری زندگیٔ نامراد اس قدر ارزاں اور بے مصرف ہو چکی ہے کہ اس حیات بے شرف پر زندگی کی تہمت بھی ناحق معلوم ہوتی ہے۔ قحط الرجال کا یہ عالم کہ ہم انسان کہلاتے ہوئے بھی انسانیت کے مفہوم سے عاری ہیں۔ از روئے تحقیق انسان انس یا نسیان سے مشتق ہے۔ دونوں میں تطبیق اس طرح کی جاتی ہے کہ انسان وہ ہے جو محبت (خود فراموشی' از خود رفتگی) کے مقام پر فائز ہو' اس کے برعکس آج انسانوں میں نفرتیں اور عداوتیں عام ہیں اور خود غرضیوں کا دور دورہ ہے۔ لالچ' بغض' عناد' نفرت' شقاوت' ظلم انسان کا طرۂ امتیاز ہے اور:

آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا''

دل دردمند سے نکلی یہ تحریر معاصر پاکستان کا منظر نامہ ہے کہ اب تو عالم یہ ہے:

ہے موجزن اک قلزم خوں کاش یہی ہو
آتا ہے ابھی دیکھئے کیا کیا مرے آگے

ترک دنیا' ترک لذات' ضبط نفس' غنیٰ' تسلیم' رضا' مرشد' تصور شیخ' تزکیہ' نفی خودی' ذلت نفس' توکل' سخاوت کی مانند فقر بھی تصوف کی معروف اصطلاحات میں سے ہے۔ ''اصطلاح'' کہہ کر ان الفاظ کا مفہوم محدود کر دیا جاتا ہے۔ دراصل تصوف کردار و عمل کا رویہ' شعور زیست کا قرینہ اور شعار زیست کا انداز ہے۔ اس لیے صوفی صاحب کردار ہوتا ہے اگر وہ بے عمل ہے تو پھر وہ اچھا دکاندار تو ہو سکتا ہے سچا صوفی نہیں۔ تعویذ فروشی اس دکانداری کا ٹریڈ مارک ہے جبکہ محمد اشفاق چغتائی کے بقول:

''تصوف عین اسلام' روح اسلام ہے' تصوف اسلام کا حسن و جمال ہے' تصوف اسلام کا کمال

Marfat.com
Marfat.com

ہے۔''

چغتائی صاحب اسی ضمن میں مزید رقم طراز ہیں:

''تصوف الا للہ الدین الخالص (یاد رکھو اللہ کے لیے ہے دین خالص) کی تصدیق ہے۔ تصوف الیٰ ربک کدحا فملقیہ (الانشقاق ع) اپنے رب کی طرف خوب محنت کر پس تو ملنے والا ہے اس کے ساتھ) کی تفسیر ہے۔ تصوف و تبتل الیہ تبتیلا (المزمل) (اور ہر طرف سے منقطع ہو کر اس کی طرف ہو جا) کی تعمیل ہے۔

اور الیٰ ربک منتھھا (النازعات) (تیرے رب کی طرف ہے اس کی انتہا) کے مطابق رب تک پہنچنے کی راہ ہے۔ فقر راہ تصوف ہی کی آخری منزل ہے۔''

حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں: جو شخص خدا کے ساتھ دل صاف رکھے وہ صوفی ہے

صاف شو باحق نہان و آشکار

صوفیانہ صاف را ایں است کار

مذہب کا ایک پہلو جس سے عوام الناس زیادہ مانوس ہوتے ہیں- Rituals (رسوم' رواجات) روایات مُسلمات اور ممنوعات (Taboos) سے عبارت ہے۔ کسی بھی مذہب کے پیروکاران ہی کے سہارے نہ صرف زندگی بسر کرتے ہیں بلکہ یہی اقدار و معیار کے پیمانے بھی قرار پاتے ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ عوام کی اکثریت کو ان کا علمی شعور بھی نہیں ہوتا بس روایتی یا پھر عادتاً ان پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

روایات و مُسلمات اور ممنوعات سے ماورا مابعد الطبیعاتی نظام فکر ہوتا ہے جو کسی بھی مذہب کے لیے اخلاقی تصورات کی استواری کا باعث بنتا ہے۔ خالق' روح' موت اور حیات بعد ممات وغیرہ کے بارے میں ہر مذہب میں جو تصورات مروج ہوتے ہیں وہ دراصل اس کے مابعد الطبیعاتی نظام فکر سے مشروط ہوتے ہیں۔

جہاں تک تصوف کا تعلق ہے تو اگر چہ اس میں مابعد الطبیعاتی افکار اور ان سے وابستہ اخلاقیات شامل ہوتی ہے لیکن خود تصوف ان سے ماورا اور مُنزّہ ہوتا ہے۔ کہ صوفی کا تصور حقیقت ابدی سے ہم کنار ہوتا ہے۔ اسی لیے اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب جیسے یہودیت' عیسائیت اور ہندومت میں بھی (اپنی مخصوص صورت میں) تصوف ملتا ہے' عیسائیوں اور ہندوؤں میں تو ترک دنیا پر اتنا زور دیا گیا کہ راہبانیت نے خصوصی اہمیت اختیار کر لی جبکہ مسلم صوفیاء نے رہبانیت نہ اپنائی ان کا طرز عمل اس مصرع کے عین مطابق تھا:

بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

تصوف کتابی یا اکتسابی علم نہیں بلکہ یہ شعور زیست کا ایک انداز اور شعار زیست کا اسلوب ہے۔ تصوف کردار و اعمال سے مشروط ہے۔ گر یہ نہیں تو بابا باقی کہانیاں ہیں!

علامہ اقبال کے مرد مومن کی مانند حقیقی صوفی میں بھی آفاق گم ہوتے ہیں۔ صوفی دنیا کی گندگی میں رہتے ہوئے خود کو اس کی آلائشوں سے پاک رکھتا ہے۔ جیسے گدلے پانی میں کنول کا صاف ستھرا پھول سرفراز نظر آتا ہے۔ روحانیت کی مشکل منزل کی دشوار راہوں میں فقر بے حد مددگار ثابت ہوتا ہے اور یہی صراط مستقیم سے سالک کے قدم اکھڑنے نہیں دیتا۔ واضح رہے کہ فقر بھی کردار و عمل سے مشروط ہے۔ بے عمل فقر کے راستہ پر نہیں چل سکتا۔ اس کی طبیعت کا لالچ' طمع اور خود غرضی فقر کی راہ کے

Marfat.com
Marfat.com

سنگ گراں ثابت ہوتے ہیں۔ ریاضت کے آغاز میں شاید فقر گراں بار محسوس ہوتا ہو لیکن ایک مرتبہ فقر کو شعار زیست بنالیا تو پھر فقر کی قوت ہر بوجھ کو ہلکا کر کے صراط مستقیم پر قدموں کو اکھڑنے نہ دے گی۔

ترک دنیا ترک لذت سے مشروط نہ ہو مگر فقر کی آخری منزل یقیناً ہے کہ یہی ''فقر غیور'' ہے۔ اگرچہ محمد اشفاق چغتائی نے تصوف پر بھی لکھا لیکن بنیادی طور پر یہ کتاب صرف تصوف کے ایک پہلو یعنی فقر کو اجاگر کرتی ہے۔ اس ضمن میں صاحب کتاب نے خاصی ژرف نگاہی سے کام لیا ہے۔ یہ مختصر دیباچہ تفصیلات کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ تاہم کتاب کے ابواب اور ان کی ضمنی سرخیوں سے کتاب کے دائرہ کار کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ باب اول: فقر' اسرار خودی۔ باب دوم: مراحل تربیت خودی' ضبط نفس' فقر و جہاد لازم و ملزوم ہیں۔ باب سوم: تکمیل خودی' مقام فقر' نیابت الٰہی' طالب و مطلوب' فقر توحید کا مترادف ہے۔ باب چہارم: عشق' فقر و رہبانی' فقر کی بے نیازیاں' غیرت فقر' دلنوازی ہائے فقر' صاحب فقر' صاحب فقر صاحب جنوں' صاحب فقر متوکل علی اللہ ہوتا ہے' صاحب فقر پیکر تسلیم و رضا ہوتا ہے' فقر و شاہین' اقبال اور مرد فقیر' فقر و تصوف' اصل تصوف' تصوف کے لوازمات۔

ابواب اور ذیلی عنوانات پر ایک نظر ڈالنے سے ہی یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ صاحب کتاب نے فقر سے وابستہ شاید ہی کسی پہلو سے صرف نظر کیا ہو۔

محمد اشفاق چغتائی ''فقر'' کی تشریح کے ضمن میں رقم طراز ہیں:

''عرف عام میں فقر افلاس' تنگدستی اور عسر کی حالت کو کہتے ہیں۔ اس کے لغوی معنی احتیاج کے ہیں۔ وہ لوگ جن پر اضطراری حالت فقر طاری ہو یعنی وہ کچھ حاصل نہ ہونے اور کچھ حاصل نہ کر سکنے کے سبب مفلس و نادار ہوں فقیر کہلاتے ہیں۔ ایسے فقر کو فقر اضطراری کہتے ہیں۔ اقبالؒ نے اسے بے دولتی اور رنجوری کا نام دیا ہے

میں ایسے فقر سے اے اہل حلقہ باز آیا
تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری

..... کچھ بندگان حق سب کچھ دسترس میں ہونے کے باوجود دنیا اور اس کی ہر شے سے بے نیاز ہوتے ہیں اور فقر اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کا فقر ''فقر اختیاری'' کہلاتا ہے۔ فقر اضطراری اور فقر اختیاری میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ فقر اضطراری خودی کی موت کا باعث بنتا ہے جب کہ فقر اختیاری پیدا ہی استحکام خودی سے ہوتا ہے۔ فقر اضطراری کے ہاتھوں نخچیر ہو کر انسان ذلیل و خوار ہوتا ہے مگر فقر اختیاری انسان کو وہ قوت و شوکت عطا کرتا ہے کہ فرشتہ و حور اس کے صید زبوں ہوتے ہیں۔ میرا موضوع فقر اختیاری ہے جسے آقا مولا حضور سرور عالم اپنے لیے باعث فخر قرار دیا ہے۔''

محمد اشفاق نے فقر کی جس اسلوب میں توضیح کی اس سے اختلاف کی گنجائش نظر نہیں آتی۔ اس ضمن میں ان کے استدلال کی اساس تین امور پر استوار ہے (۱) قرآن مجید (۲) احادیث نبوی (۳) علامہ اقبال کے افکار۔

جہاں تک علامہ اقبال کے افکار کا تعلق ہے تو وہ بھی قرآن مجید سے روشنی اور حضرت محمدؐ کی حیات و اقوال سے بصیرت اخذ کرتے ہیں۔ ''فقر غیور'' کے مطالعہ سے یہ احساس تواتر سے ہوتا رہتا ہے کہ صاحب کتاب نے قرآن مجید' احادیث

Marfat.com
Marfat.com

نبوی اور علامہ اقبال کی شاعری کا سطحی کے بجائے بہت گہرائی میں ڈوب کر مطالعہ کیا ہے۔ کتاب کا شاید ہی کوئی ایسا صفحہ ملے جہاں ان تینوں سے کسی نہ کسی کا حوالہ نہ ملے یا ان سے استدلال نہ کیا گیا ہو۔ اس لیے جب وہ یہ شعر لکھتے ہیں تو بات سمجھ میں آ جاتی ہے

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اس دین کا ہے فقر غیور

محمد اشفاق چغتائی ''حرف اول'' میں لکھتے ہیں

''تربیت خودی کے ذریعے حق اپنی حقیقی عظمتوں سے آشنا ہو کر جلال و جمال کا پیکر بن جاتا ہے۔ استحکام خودی کا عمل اسے بندگی کے اس ارفع مقام تک پہنچا دیتا ہے جسے اقبال نے مقام فقر قرار دیا ہے۔ فقر ہی وہ متاع بے بہا ہے جس کے حصول کے لیے اقبال خودی کا استحکام مانگتے ہیں۔ گویا استحکام خودی فقر کا ذریعہ ہے۔ چنانچہ استحکام خودی مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل مقصود حیات حصول فقر ہے۔ اقبال محض پیامبر خودی نہیں بلکہ پیامبر فقر ہیں۔''

اور سو باتوں کی ایک بات آنحضرت کا یہ فرمان:

الفقر فخری و الفقر منی (فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے) کیا خوب صورت بات۔ مگر ہم میں سے کتنے ہیں جو اپنے کردار و عمل کی زبان سے یہ کہہ سکیں ''فقر میرا فخر ہے''۔

موضوع' استدلال اور اسلوب کے لحاظ سے ''فقر غیور'' بہت اچھی کتاب ہے لیکن صدا بصحرا ثابت ہو گی۔ ہمارا معاشرہ اسلام کی روح سے اتنی دور جا چکا ہے کہ ہم صرف نام ہی کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ عمل مفقود ہے۔ خوشبو اڑی تو پھول فقط رنگ رہ گیا

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ عہد زوال میں زیست کرنے والے معاشرہ سے اخلاق و اقدار کا سونا ختم ہو جاتا ہے صرف منافقت کا ملمع باقی رہ جاتا ہے اور اس وقت ہم بھی عہد زوال میں سرگرداں ہیں' حق سے محروم' جھوٹ' فریب' دغا اور منافقت کے خوگر' کبھی اصلاح احوال ممکن ہو گی مگر اب ہم اصلاح کی حد سے گزر چکے ہیں۔ ہر روز کسی نہ کسی اسلوب میں سبق ملتا ہے مگر ہم دیدۂ عبرت نہیں کھولتے۔ ایسے میں محمد اشفاق چغتائی کا یہ کہنا بھی صحرا میں اذان کے مترادف ہے:

> ''میں نے اپنی تمام تر علمی بے بضاعتی کے باوصف اس (یعنی فقر غیور) کی ضرورت اس لیے محسوس کی کہ یار لوگوں نے اسلامی زندگی کے نصب العین' اس انقلاب آفریں پیغام کو ''فلسفہ خودی'' کا نام دے کر افکار کو چیستاں بنا ڈالا ہے۔ آج ان افکار کو پڑھ کر سر دھننے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے اور اقبال بارگاہ رسالت مآبؐ میں فریاد کرتے رہ جاتے ہیں:
>
> من اے میر امم داد از تو خواہم
> مرا یاراں غزل خوانے شروند''

حالات نے مجھے یاس پرست اور قنوطی بنا ڈالا ہے اس لیے اب کہیں بھی روشنی کی کرن نظر نہیں آتی۔ اس کے باوجود ''فقر غیور'' دل کو چھوتی ہے کہ یہ اور اس نوع کی کتابوں سے اس احساس کو تقویت ملتی ہے کہ سرنگ کتنی طویل اور تاریک کیوں نہ ہو اس کے اختتام پر روشنی کا دائرہ بھی ہوتا ہے۔

ڈاکٹر سلیم اختر

Marfat.com
Marfat.com

حرف اول

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقبالؒ کو پیغمبر خودی کہا جاتا ہے۔ اس کا سبب ان کے کلام کی نمایاں خوبی ''تربیتِ خودی کا پیغام'' ہے۔ اقبالؒ کا درس خودی درحقیقت تعلیماتِ اسلام کا خلاصہ اور اسلامی زندگی کے نصب العین کے حصول کی دعوت ہے۔ تربیت خودی کے ذریعے بندہ حق اپنی حقیقی عظمتوں سے آشنا ہوکر جلال و جمال کا پیکر بن جاتا ہے۔ استحکام خودی کا عمل اسے بندگی کے اس مقامِ رفیع تک پہنچا دیتا ہے۔ جسے اقبالؒ نے مقام فقر قرار دیا ہے۔ فقر ہی وہ متاع بے بہا ہے جس کے حصول کے لیے، اقبالؒ خودی کا استحکام چاہتے ہیں۔ گویا استحکام خودی فقر کا ذریعہ ہے چنانچہ استحکام خودی مقصود بالذات نہیں بلکہ اصل مقصودِ حیات حصولِ فقر ہے۔ اس اعتبار سے اقبال محض پیامبرِ خودی نہیں بلکہ پیامبر فقر ہیں۔

فقر کا یہ انقلاب آفریں پیغام اقبالؒ کو کائنات کے اس عظیم ترین قائد، رہبر و رہنما، آقا و مولا حضور سید عالم ﷺ سے ملا جن کی ذات فقر کا نمونہ کمال ہے اور جن کا نعرہ مستانہ ہے۔

اَلْفَقْرُ فَخْرِی و الفقر منیّ (فقر میرا فخر ہے اور فقر مجھ سے ہے)

یہ کتاب اسی نعرہ مستانہ کی صدائے بازگشت ہے جو اس سے پیشتر بیشمار صوفیاء، اولیاء امت اور ان کے خوشہ چیں اقبالؒ کی فیض رساں زبانوں سے لوٹ کر آئی۔ میں نے اپنی تمام تر علمی بے بضاعتی کے باوصف اس کی ضرورت اس لیے محسوس کی کہ یار لوگوں نے اسلامی زندگی کے نصب العین، اس انقلاب آفرین پیغام کو فلسفہ خودی'' کا نام دے کر افکار کو چیستاں بنا ڈالا ہے۔ آج ان عظیم افکار کو پڑھ کر محض سر دھننے پر اکتفا کر لیا جاتا ہے اور اقبال بارگاہ سالت مآب ﷺ میں فریاد کرتے رہ جاتے ہیں۔

من اے میرِ امم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند

(ارمغان حجاز)

محمد اشفاق چغتائی

Marfat.com
Marfat.com

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے فقرِ غیور

Marfat.com
Marfat.com

باب اول

تر دماغوں اور بیدار دلوں کے نام

شاہراہ حیات کے معتبر ہمراہیو! زندگی کے اس پر تکلف سفر میں کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی سوچا ہے کہ ہم کون ہیں؟ کس لئے ہیں؟ ہماری حیاتِ مستعار کا مقصد کیا ہے؟ کیا زندگی محض جینے سے عبارت ہے؟ کیا حیات محض طلسم شب و روز کی اسیری کا نام ہے۔ آج ہماری زندگی ءِ نامراد اس قدر ارزاں اور بے مصرف ہو چکی ہے۔ کہ اس حیاتِ بے شرف پر زندگی کی تہمت بھی ناحق معلوم ہوتی ہے۔ قحط الرجال کا یہ عالم ہے کہ ہم انسان کہلاتے ہوئے بھی انسانیت کے مفہوم سے عاری ہیں۔ از روئے تحقیق انسان انس یا نسیان سے مشتق ہے۔ دونوں میں تطبیق اسطرح کی جاتی ہے کہ انسان وہ ہے جو محبت (خود فراموشی، از خود رفتگی) کے مقام پر فائز ہو۔ اس کے برعکس آج انسانوں میں نفرتیں اور عداوتیں عام ہیں۔ اور خود غرضیوں کا دور دورہ ہے۔ لالچ، بغض، عناد، نفرت شقاوت، ظلم، انسان کا طرہ امتیاز ہے اور

آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

مرشدِ اقبال، مولانا روم اسی انسان کی جستجو میں فرماتے ہیں۔

دی شیخ با چراغ ہمی گشت گردِ شہر
کز دام و دد ملولم و انسانم آرزوست
زیں ہمرہانِ سست عناصر دلم گرفت
شیرِ خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نشود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

(دیوانِ شمس تبریزی)

ایک بزرگ چراغ بکف شہر کے گرد گھوم رہا تھا۔ میں نے پوچھا کسے تلاش کر رہے ہو تو کہنے لگا میں ان انسان نما درندوں سے رنجیدہ ہوں مجھے کسی انسان کی تلاش ہے۔ میں ذوقِ عمل سے تہی اور سست نہاد ہمراہیوں سے دل گرفتہ و ملول ہوں۔ مجھے کسی شیرِ خدا اور رستم دستان سے ملاقات کی آرزو ہے۔ میں نے کہا کہ میں بھی ایسے ہی انسان کی تلاش میں سرگرداں رہا ہوں لیکن اسے کہیں نہیں پایا۔ اس بزرگ نے کہا ہاں مجھے اسی انسان کی تلاش ہے

Marfat.com
Marfat.com

جو نایاب ہے۔

جگ ڈھونڈے انسان کو ڈھونڈے اور نہ پائے
بھوسے کے کھلیان میں سوئی ہاتھ نہ آئے

(دل محمد)۲

مرشد رومیؒ کی طرح مرید ہندی بھی اسی انسان کی آرزو جستجو میں سرگرم فغاں رہے۔ انہوں نے اس جنس کمیاب کی تلاش میں قرآن وحدیث اور مثنوی مرشد سے نشانیاں لیکر اپنے کلام میں بیان کیں۔ مثنوی اسرار خودی، رموز بیخودی، پیام مشرق، بانگ درا، بال جبریل، ضرب کلیم، زبورِ عجم، جاوید نامہ، پس چہ باید کرد اے اقوام شرق، اور ارمغانِ حجاز شائع کر کے اسی انسان کی تلاش جاری رکھی مگر۔۔۔۔ اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

اور آج تو ہماری حالتِ زبوں یہ ہے کہ حیوانیت، نفس پرستی ہمارے ایمان وضمیر کو دیمک کی طرح چاٹ چکی ہے اور ہماری یہ حیات بے شرف متلاشیان حق، رہروانِ شوق کی نگاہ میں موت سے بدتر ہو کر رہ گئی ہے۔

جستجو کا کوئی انجام تو ظاہر ہو ندیم
اک مسلماں تو نظر آئے مسلمانوں میں

مقام غور وفکر ہے کہ زندگی کی نامرادی اور قحط الرجال کا سبب کیا ہے! حضرت انسان جسے اشرف المخلوقات کہا گیا ہے (ولقد کرمنا الآنیہ) اور جو حق تعالیٰ کی احسن تقویم ہے۔ وہ اپنے شرف وفضیلت کے سبب سے نا آشنا ہے۔ وہ اپنے منصب کی عظمت سے بیگانہ ہو چکا ہے۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں اپنا نائب و خلیفہ بنا کر بھیجا ہے۔ منصب نیابت الہیہ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان عناصر پر حکمران ہو اور کائنات اس کے تابع فرماں ہو۔ انسانی زندگی کائنات کو اسیرِ جاں کرنے کا نام ہے مگر آج انسان خود اسیرِ جہاں ہو کر اس حقیقت سے بے خبر ہے۔ جب وہ خود زندانی ءکائنات ہے تو کائنات کو کیونکر تسخیر کر سکتا ہے۔ اور کیونکر اپنے منصب کی عظمت ورفعت سے ہمکنار ہو کر حقیقی انسان بن سکتا ہے۔

حیاتِ چیست جہاں را اسیر جاں کر دن
تو خود اسیر جہانی کجا توانی کرد!

انسان درحقیقت مومن اور مسلمان کا مترادف ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک انسانیت کے مرتبہ علو پر فائز نہیں ہو سکتا جب تک صاحبِ ایمان کامل نہ ہو۔

ایمانِ کامل حق تعالیٰ پر اس یقینِ کامل اور ذاتِ احد سے اس تعلقِ خاطر کا نام ہے جو صاحب ایمان کو ہر دو عالم سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ وہ محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے۔ کسی سے بغض ونفرت رکھتا ہے تو اللہ کے لئے۔ کسی کو

Marfat.com
Marfat.com

کچھ دیتا ہے تو اللہ کے لیے اور کسی کو نہیں دیتا تو بھی اللہ ہی کے لیے۔

مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَ اَبغَضَ لِلّٰہِ واَعْطٰی لِلّٰہِ وَ مَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ استکمَلَ الاِیمَانَ (الحدیث، ابو داود)(۷)

ترجمہ:۔ ''محبت رکھی اللہ کے لیے جس نے (لوگوں سے) بغض رکھا اللہ کے لئے جس نے عطا کیا اللہ کے لیے اور جو رک گیا اللہ کے لئے بیشک اس نے ایمان پورا کرلیا''۔

مقام صد افسوس ہے کہ آج انسان میں وہ تمام صفات مفقود ہیں جو اس کی پہچان اور تقاضائے انسانیت ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ انسان اپنے منصب حقیقی سے بھی بیگانہ ہو چکا ہے۔ اسے حق تعالیٰ نے ظاہر و باطن کی خلافت، کا سزاوار ٹھہرایا اور مظاہرِ کائنات کو اس کے تابع فرماں بنایا مگر وہ اپنے مقام سے اسقدر گر گیا ہے کہ دنیا کا غلام ہو کر رہ گیا ہے۔ وہ جو خس و خاشاک، غیر اللہ کے لیے آتش سوزاں تھا۔ خود ان میں الجھ کر رہ گیا ہے۔ اس کا ضمیرِ پاک جو پورے عالم کیلیے آئینہ تھا۔ سلطانی و ملائی اور پیری کے ہاتھوں ٹوٹ پھوٹ گیا ہے۔

آتی ہے دمِ صبح صدا عرش بریں سے
کھویا گیا کس طرح ترا جوہر ادراک
کس طرح ہوا کند ترا نشترِ تحقیق
ہوتے نہیں کیوں تجھ سے ستاروں کے جگر چاک
تو ظاہر و باطن کی خلافت کا سزاوار
کیا شعلہ بھی ہوتا ہے غلامِ خس و خاشاک
مہر و مہ و انجم نہیں محکوم ترے کیوں
کیوں تری نگاہوں سے لرزتے نہیں افلاک
اب تک ہے رواں گرچہ لہو تیری رگوں میں
نے گرمیِ افکار، نہ اندیشہ بیباک
باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتہء سلطانی و ملائی و پیری

(کلیات اقبال اردو)

آج جہانِ آدم کا وارثِ حقیقی ''مسلمان'' من حیث القوم اپنی حیثیت کو فراموش کر چکا ہے۔ وہ آدم جسے حق

Marfat.com
Marfat.com

نے بحر و بر کا سلطان بنایا، وہ بندہ بحر و بر ہو کر رہ گیا ہے اور اس پر مستزاد یہ کہ اسے احساسِ زیاں تک نہیں ہے ؎

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

اور ؎

بے دلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق
بے کسی ہائے تمنا کہ نہ دنیا ہے نہ دیں

عام طور پر بندہ مومن کے زوال و انحطاط کا سبب معاشی محرومی اور بے زری کو گردانا جاتا ہے جبکہ ؎

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندہ مومن کا بے زری سے نہیں
اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں

فقرِ غیور وہ متاعِ گراں بہا جسے اقبال نے اسلام کا مترادف قرار دیا ہے۔ ہمارا دامنِ زندگی اس دولت سے تہی ہو چکا ہے۔ اور زوالِ بندہ مومن کا سبب یہی ہے۔ فقر کیا ہے؟ دنیائے دوں سے بے نیازی اور رب ذوالجلال کی نیازمندی۔ آج ہمیں اس فقر و استغنا کی ضرورت ہے جو اپنے اہل کو غریبی میں بھی محسودِ امیری بنا دیتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ آج ملتِ اسلامیہ کے سب پیر و جوان بندگانِ ھوٰیِ نفس بنے ہوئے ہیں۔ نوجوانوں کی یہ حالت ہے کہ نفسانی خواہشات کے دام میں گرفتار عہد شباب کی بے پناہ صلاحیتوں کو شہوت رانیوں میں برباد کر رہے ہیں۔ ان کی عیاشیاں اور تن آسانیاں چشم بینا کو لہو رلاتی ہیں۔

شہوت رانیوں اور تن آسانیوں نے انہیں اس درجہ مفلوج کر رکھا ہے کہ وہ اپنی حقیقی صلاحیتوں سے بیگانہ ہو چکے ہیں انہیں یہ بھی یاد نہیں رہا کہ ؎

جواں ہیں ہم، جوانی عزم کا بے باک طوفاں ہے
جوانی شدتِ ذوقِ عمل کا سازِ لرزاں ہے
جوانی ہونکتے شعلوں کو چھاتی سے لگاتی ہے
جوانی آتش نمرود میں بھی کود جاتی ہے

Marfat.com
Marfat.com

جوانی کا ہے ایماں بجلیوں پر مسکرا دینا
جوانی کا ہے مذہب آگ پانی میں لگا دینا
جوانی جبر کے فرعون کو للکار دیتی ہے
غلامی کے سکوں کو دعوت پیکار دیتی ہے

(سید ضمیر شاہ)

عام مسلمان کی یہ حالت ہے کہ وہ حقیقت دیں سے نا آشنا اور سر نبی ﷺ سے بیگانہ ہے۔ بندہ مومن کا دل جسے نبی مکرم ﷺ نے بیت الحرم بنایا تھا، پھر سے بتکدہ بن گیا ہے جس میں ہوا و ہوس کے لات و منات سجے ہوئے ہیں۔ ہمارے دینی راہبروں اور رہنماؤں کی حالت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سر میں خواہشات کے بتوں کا سومنات آباد کر رکھا ہے اور وہ ہے اپنے کفر میں برہمن سے بڑھے ہوئے ہیں

مسلم از سر نبی بیگانہ شد
باز ایں بیت الحرم بت خانہ شد
شیخ ما از برہمن کافر تراست
زانکہ او را سومنات اندر سراست

مسلمان کا سینہ دل زندہ سے خالی ہو چکا ہے اور وہ مشل کافر موت سے ڈرنے لگا ہے۔ ان حالات میں ملت بیضا کی ڈگمگاتی ناؤ کا اللہ ہی حافظ ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ جنہیں منعم حقیقی نے دردمند دل کے ساتھ حکیمانہ نظر عطا فرمائی تھی، نے طبیب عشق مرشد رومی کی رہنمائی میں قوم کے مرض کی تشخیص کی اور علاج بھی تجویز فرمایا ہے

طبیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے تابی

انہوں نے قوم مردہ کو دیرینہ بیماری سے آگاہ کیا اور اس آب حیات کی نشاندہی فرمائی جسے پی کر قوم کے عروق مردہ میں زندگی کی لہر دوڑ سکتی ہے۔ اور وہ حیات دوام حاصل کر سکتی ہے۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

Marfat.com
Marfat.com

اقبال اپنی بیمار قوم کو انسانیت کے طبیبِ اعظم جناب رسالت مآب ﷺ کے حضور لائے اور فریاد کی۔

حضور آپ کا نام لیوا مسلمان وہ فقیر کج کلاہ جس کی پادشاہی میں شانِ فقر پائی جاتی تھی۔ اس کا سینہ سوز و آہ سے خالی ہو گیا ہے۔ اس نے اپنے دل کو آپ کی عظمتوں سے بیگانہ کر لیا۔ اس کا محروم دل روتا ہے مگر وائے افسوس کہ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا دلِ زار کیوں رو رہا ہے۔

یارسول اللہ ﷺ اس نادان پر ایک نگاہِ لطف و کرم فرما دیجئے تا کہ اس کا دل پھر ایک مرتبہ آپ کی تمنا سے جی اٹھے۔

مسلماں آں فقیرے کج کلا ہے
رمید از سینہ او سوز و آہے
دلش نالد چرا نالد نداند
نگاہے یارسول اللہ نگا ہے

آؤ اپنی جانوں میں عشق و محبت کی طرح ڈال کر حضور سید عالم ﷺ کے ساتھ باندھے ہوئے عہدِ غلامی کو تازہ کریں۔

طرح عشق انداز اندر جان خویش
تازہ کن بامصطفیٰ پیمان خویش

آؤ تا کہ ملتِ مرحوم کی بگڑی بات بنائیں اپنی زندگی کا جوا، مردانہ وار کھیلیں۔ شہر شہر، قریہ قریہ، محفل محفل اور مسجد مسجد اس پیغام محبت کو اسطرح پہنچائیں کہ شعلۂ محبت کی حرارت سے ملا کے دل میں بھی سوز و گداز پیدا ہو جائے۔

بیا تا کارایں امت بسازیم
قمار زندگی مردانہ بازیم
چناں نالیم اندر مسجد شہر
کہ دل در سینۂ ملا گداز یم

یہ دعوت ان پرسوز دلوں کے لیے ہے جن میں ناموس رسالت ﷺ پر کٹ مرنے کی تمنا کروٹیں لیتی ہے۔
یہ دعوت ان تر دماغوں کے لئے ہے جنہیں آقائے دو جہاں سرور کائنات ﷺ کی غلامی و اطاعت پر ناز ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

فقر

عرف عام میں فقر افلاس، تنگدستی اور عسر کی حالت کو کہتے ہیں۔ اس کے لغوی معنی احتیاج کے ہیں۔ وہ لوگ جن پر اضطراری حالت فقر طاری ہو یعنی وہ کچھ حاصل نہ ہونے اور کچھ حاصل نہ کرسکنے کے سبب مفلس و نادار ہوں فقیر کہلاتے ہیں۔ ایسے فقر کو فقر اضطراری کہتے ہیں۔ اقبالؒ نے اسے بے دولتی اور رنجوری کا نام دیا ہے۔

میں ایسے فقر سے اے اہلِ حلقہ باز آیا
تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری

(اقبال)

ہمارے ہاں فقیر بھکاری کو کہا جاتا ہے۔ فقر اضطراری انسانِ مضطر کو مانگنے پر مجبور کر دیتا ہے اور اس طرح خودی کی موت کا سامان کرتا ہے۔

خود دارانہ ہو فقر تو ہے قہر الٰہی
ہو صاحب غیرت تو ہے تمہید امیری

(اقبال)

حضور سرور عالم ﷺ کے اس ارشاد گرامی میں اسی فقر کی طرف اشارہ ہے۔ جو حرص و طمع کی پیداوار ہے۔

ایا کم و الطمع فانه الفقر الحاضر (حدیث نبوی)

''طمع سے خبردار ہو اس کی وجہ سے انسان ہر وقت مبتلائے فقر رہتا ہے''

می شناسی حرص فقر حاضر است
من غلام آں کہ بر خود قاہر است

اس کے برعکس کچھ بندگان حق سب کچھ دسترس میں ہونے کے باوجود دنیا اور اس کی ہر شے سے بے نیاز ہوتے ہیں اور فقر اختیار کر لیتے ہیں۔ ان کا فقر ''فقر اختیاری'' کہلاتا ہے۔ فقر اضطراری اور فقر اختیاری میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ فقر اضطراری خودی کی موت کا باعث بنتا ہے جب کہ فقر اختیاری پیدا ہی استحکام خودی سے ہوتا ہے۔ فقر اضطراری کے ہاتھوں نخچیر ہو کر انسان ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ مگر فقر اختیاری انسان کو وہ قوت و شوکت عطا کرتا ہے کہ فرشتہ و حور اس کے صید زبوں ہوتے ہیں۔ میرا موضوع فقر اختیاری ہے جسے آقا مولا حضور سرور عالم ﷺ اپنے لیے باعث فخر قرار دیا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

فقرِ غیور

''الفقر وفخری'' (۲۳) ہی وہ فقر ہے جس کے متعلق حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوۃ والسلام کا ارشادِ گرامی ہے

اَلفَقرُ عِزٌ لا َھلِہٖ ''فقر اپنے اہل کے لیے باعث عزت ہوتا ہے۔''

وہ لوگ جو فقر کو اختیار کرتے ہیں۔ سارا عالم چھوڑ کر کوئے دوست کو اپنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لیے صرف اللہ کافی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور فقیر ہوتے ہیں اور اللہ ہی نے ان کو فقیر کا نام دیا ہے۔

یا یُّھا النّاس اَنتم الفُقرا ءُ اِلیَ اللّٰہِ و اللّٰہ ھُوَ الغنیّ الحمید (القران ۳۵-۱۵)

''اے لوگو! اللہ کے روبرو تم فقیر ہو اور اللہ غنی، قابل توصیف ہے

و اللہ الغنی و انتم الفقراء (القران ۴۷-۳۸)

''اللہ غنی ہے اور تم فقیر ہو۔''

داتا علی ہجویریؒ فرماتے ہیں۔ ظلم کیا اس نے جس نے ابن آدم کو امیر کہا، جب کہ اس کے رب نے اس کا نام فقیر رکھا ہے۔

وَ ما الحیوۃ الدنیا الامتاع الغرور (القران ۳-۱۸۲)

''اور دنیا کی زندگی کچھ نہیں مگر فریب کاری کی پونجی''

فقرِ اختیاری کی شانِ پیدا کرنے کے لیے دل کو دولتِ دنیا سے بے رغبت اور بے نیاز کرنا ضروری ہے۔

حضور سید عالم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے۔

الدّنیا جیفۃ'' و طالبھا کلاب

''دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔''

درحقیقت دنیا سے مراد وہ طلبِ دنیا ہے جو دل کو یادِ خدا سے غافل کر دیتی ہے۔ جب انسان کے دل میں دولتِ دنیا کی محبت جگہ گھیر لیتی ہے۔

تو اس مولائے کریم کی طلب و محبت باقی نہیں رہتی۔

مولانا رومؒ نے اس کی وضاحت خوب فرمائی ہے۔

چیست دنیا از خدا غافل بدن

نے قماش ونقرہ وفرزند وزن

حُبُ دنیا رأسِ کُلِ خطیئۃِ (الحدیث ۳۱)

دنیا کی محبت ہر گناہ کا سر ہے۔

مرشدِ اقبالؒ مولانا رومؒ اپنی شہرہ آفاق مثنوی میں دنیا کو ایک بھٹی سے تشبیہ دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ دنیا کی

Marfat.com
Marfat.com

طلب وشہوت کی مثال بھٹی کی طرح ہے جس سے تقویٰ کا حمام روشن ہے۔ اس بھٹی میں سے صاحب فقر متقی انسان کا حصہ صفائی ہے کیونکہ وہ پرہیزگاری کے حمام میں ہے اور اہل دنیا (مالداروں) کی مثال اُپلے لانے والوں کی سی ہے جو اس بھٹی میں اُپلے ڈال کر تقویٰ کے حمام کو گرماتے ہیں۔ اللہ نے ان میں حرص رکھ دی ہے۔ تاکہ حمام گرم اور پر رونق رہے۔

شہوتِ دنیا مثالِ گلخن است
کہ ازو حمام تقویٰ روشن است
لیک قسم متقی زیں جوں صفاست
زانکہ در گرمابہ است و در نقاست
اغنیا مانندآں سرگیں کشاں
بہر آتش کردن گرمابہ داں

مولانا رومؒ کہتے ہیں کہ ''دنیا کی اس بھٹی کو چھوڑ کر تقویٰ کے حمام میں آ''

دنیا کی بھٹی کو ترک کرنا تقویٰ کے حمام میں جانے کے مترادف ہے۔ جو دنیا کی بھٹی میں ہے وہ خادم جیسا ہے اور اہل تقویٰ مخدوم ہیں۔

جو شخص تقویٰ کے حمام میں چلا گیا۔ اس کی علامت اس کے رخ روشن سے ظاہر ہے اور اہل دنیا (بھٹی والوں) کی نشانی بھی ان کے کپڑوں اور دھویں اور غبار کی صورت ظاہر ہے۔

ترک ایں تو گیر و درگرمابہ راں
ترکِ توں راعین آں گرمابہ داں
ہر کہ در توں است او چوخادم است
مرورا کہ صابر ست و حازم ست

فقر وغنا: اللہ تعالیٰ نے غنا پر شکر کرنے اور فقر پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔

لَئِن شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ

''اگر تم شکر کرو گے تو مزید دوں گا''

حضرت داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں اس کی نہایت لطیف تعبیر فرمائی ہے۔

''خدا نے نعمت پر شکر کرنے کا حکم دیا اور شکر نعمت کو زیادتی نعمت کا سبب قرار دیا ہے۔ پھر فقر پر صبر کا حکم دیا اور صبر کو زیادتی قرب کا ذریعہ گردانا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

ارشادِ رب العزت ہے

''اگر تم شکر کرو گے تو مزید دونگا''

نیز فرمایا''ان اللہ مع الصابرین'' بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

مراد یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ایسی نعمت پر شکر کرے جس کی بنیاد غفلت پر ہو تو ہم اس کی غفلت پر غفلت زیادہ کریں گے اور ہر وہ شخص جو ہر ایسے فقر پر صبر کرے جس کی بنیاد آزمائش پر ہو تو ہم اس کے قرب پر قرب زیادہ کریں گے۔

(کشف المحجوب)

پاکان امتِ کے خوشہ چین حضرت اقبالؒ کثرتِ نعمت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس دنیا میں دردِ دل کے سوا کوئی سامان مت چاہو۔ اگر نعمت چاہتے ہو تو اللہ سے چاہو۔ کسی امیر و بادشاہ سے نہ چاہو۔ اکثر حق شناس اہل بصیرت نعمت کی کثرت کے سبب اندھے ہو گئے کیونکہ کثرتِ نعمت دلوں کا سوز و گداز لے جاتی ہے۔ مال و دولت کی زیادتی سے انسان میں فخر و ناز تو پیدا ہو جاتا ہے مگر دل سے نیاز رخصت ہو جاتا ہے۔ میں سالہا دنیا میں گھوما پھرا ہوں میں نے امیروں کی آنکھ میں نم نہیں دیکھا۔ انکے سینے سوز و درد سے خالی ہوتے ہیں۔

در جہاں جز دردِ دل ساماں مخواہ
نعمتِ از حق خواہ از سلطاں مخواہ
اے بسا مرد حق اندیش و بصیر
می شود از کثرتِ نعمت ضریر
کثرتِ نعمت گداز از دل برد
ناز می آرد نیاز از دل برد
سالہا اندر جہاں گردیدہ ام
نم بچشم منعماں کم دیدہ ام

میں تو اس مردِ قلندر پہ نثار ہوں جو درد یشانہ زندگی گزارتا ہے وائے افسوس وہ جو خدا سے بیگانہ جی رہے ہیں۔

من فدائے آں کہ درد یشانہ زیست
وائے آں کہ از خدا بیگانہ زیست

شیخ سعدی گلستان میں ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ ''مصر میں دو امیر زادے تھے۔ ایک نے علم سیکھا اور دوسرے نے مال و دولت اکٹھی کی۔ انجام کار ایک علامہ عصر بن گیا اور دوسرا عزیز مصر۔ ایک روز صاحب ثروت نے اپنے عالم بھائی کو بچشم حقارت دیکھا اور کہا کہ میں آج سلطنت کا مالک بن گیا ہوں اور تو ابھی تک مسکینی میں

81655

Marfat.com
Marfat.com

زندگی بسر کر رہا ہے۔ فقیہ بھائی نے کہا۔ اے برادر! اللہ کی نعمت کا شکر ہے جو اس حال میں مجھ پر بے اندازہ ہے کہ میں وارثِ میراثِ انبیا ہوں اور تو وارثِ میراثِ فرعون و قارون ہے۔

شیخ کہتے ہیں کہ امیر و غریب سب خدا کی مخلوق ہیں اور ان میں جو جس قدر زیادہ غنی ہے، اسی قدر زیادہ محتاج ہے

درویش و غنی بندہ ایں خاک درند
وآناں کہ غنی ترند محتاج ترند

اقبال رموزِ بیخودی میں سیدنا عمر فاروق اعظم کا ایک قول تلمیحاً بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ زندگی کی راہ بہت دشوار ہے۔ اس سفر پر اپنے ساتھ سامان کم اٹھاؤ تا کہ دورانِ سفر زحمت کا سبب نہ ہے۔ اس دنیا میں آزادی سے جیو اور آزادی سے مرو۔ سیدنا عمرؓ کے فرمانِ گرامی کے مطابق دنیا کی احتیاج کم کرو حریت و آزادی کی دولت حاصل کر کے احرار کی زندگی بسر کرو۔

راہ دشوار است ساماں کم بگیر
در جہاں آزاد زی آزاد میر
سبحہ اقلل من الدنیا شمار
از تعیش حرا شوی سرمایہ دار

ارمغانِ حجاز کی ایک رباعی میں فرماتے ہیں:۔

وہ راہی کتنا خوش نصیب اور بامراد ہے جو زندگی کے سفر میں دنیاوی ساز و سامان ساتھ نہیں رکھتا۔ جو زن زر، زمین کی دلفریبیوں میں سے کسی سے متاثر نہیں ہوتا اور اپنے ان نادان دوستوں کا مشورہ قبول نہیں کرتا جو اسے دنیاوی زاویہ نگاہ اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

خوش آں راہی کہ سامانے نگیرد
دل او پند یاراں کم پذیرد
ز آہے سوزناکش سینہ بکشا
ز یک آہش غم صید سالہ میرد

عدم مال اور عدم میلان مال فارغ البالی کا باعث ہوتا ہے۔ اور حصول قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔

عوام کے نزدیک نعمتیں پالینا غنا ہے مگر خاصان خدا کے نزدیک نعمتیں عطا کرنے والے کو پالینا غنا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

حضرت ابوسعیدؒ کا قول ہے۔

الفقر ہو الغناء باللہ:۔ ''فقر ہر معاملے میں اللہ ہی کو کافی سمجھنے کا نام ہے۔

اہل فقر کے لیے دنیاوی نعمتیں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں۔ اہل عشق کا سرمایہ فقط نیاز ہوتا ہے۔ اور وہی کامران وخوش انجام ہے جو دل وجان سے اپنے رب کا ہو گیا۔

عاشقاں راچہ برگ و ساز بود
مایہ عاشقی نیاز بود
غربتی اوست عاقبت محمود
کہ بجاں بندہ ایاز بود

(شاہ ابوالمعانی غربتی)

مشہور مقولہ ہے کہ اشرف الغنی ترک المنیٰ

''سب سے اچھی دولت مندی خواہشوں کا ترک کر دینا ہے''

ایک صوفی کا قول ہے۔

الفقیر الذی لایَملک ولایُملک

''فقیر وہ ہے جو نہ کسی کا مالک ہو اور نہ ہی کسی کا مملوک''

اقبال نے اپنے کلام میں بندہ حق کی یہی تعریف بیان کی ہے۔

بندہ حق بے نیاز از ہر مقام
نے غلام اورا نہ او کس را غلام

فقر کے بارے میں حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں۔

الفقر بحر البلاء و بلاء ہ کل عز''

''فقر بحر بلا ہے اور اس کی جملہ بلائیں اور آزمائشیں عزت ہیں''

کشف المحجوب میں حضرت داتا علی ہجویریؒ نے ایک قول نقل فرمایا ہے۔

الفقر عدم '' بلا وجود

''فقر عدم بلا وجود ہے''۔

اس قول کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ فقر جملہ آلات وافعال مذموم کو ختم کر کے کسی عمدہ صفت کے حصول کی کوشش میں تمام برے نشانات کو مٹا دینے کا نام ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

ایک اور قول ہے کہ ''فقر ایمان کی کم از کم شرط کی بجائے زیادہ سے زیادہ شرط ایمان کو اپنا لینے کا نام ہے''

حضرت داتا گنج بخش'' فرماتے ہیں۔

''صاحب فقر کائنات کی دولت و ثروت سے اس قدر بے نیاز ہوتا ہے کہ دونوں جہاں اس کے ترازو میں مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں رکھتے۔ اس کا ایک سانس دونوں عالم میں نہیں سما سکتا''

اقبالؒ نے اسی مفہوم کو اس طرح بیان کیا ہے کہ کیا عجب ہے ! کہ دو بادشاہ ایک ملک میں نہیں سماتے عجب تو یہ ہے کہ ایک فقیر دو عالم میں نہیں سما سکتا

چہ عجب اگر دو سلطاں بہ ولایتے نگنجد
عجب ایں کہ می نگنجد بدو عالمے فقیرے

الغرض فقر ماسوی اللہ سے بے نیازی اور استغنا کا وہ عالم ہے جب بندۂ حق کی نگاہ میں متاعِ دنیا کا ہونا نہ ہونا برابر ہو۔ فقر بندہ حق کی اس کیفیت شان کا نام ہے جب ساری کائنات کی دولت اس کے قدموں میں پڑی ہو اور وہ اسے پائے استغنا سے ٹھکرا کر اپنے اللہ کو اپنا محبوب و مقصود بنا لے۔ خسرو نے اس کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا۔ اے محبوب اگر تو میرا ہمنشیں ہو تو میں دو جہاں سے بے نیاز ہو جاؤں۔

زقید دو جہاں آزاد باشم
اگر تو ہمنشین بندہ باشی

(۵۰)

لیکن ماسویٰ سے کامل بے نیازی حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے اس پر غالب آیا جائے قید دو جہاں سے مکمل آزادی دو جہاں کو اپنا اسیر بنا لینے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ مروجہ تصوف کی اصطلاح میں ''فقر'' سلوک کی راہ میں آنے والے مقامات سادسہ میں چوتھا مقام ہے جو ''توبہ'' ''ورع'' اور زہد کے بعد آتا ہے۔ لیکن اقبال کے ہاں فقر کا مفہوم اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

خودی کی محافظت اور استحکام کی طرف ہیں۔ قرآن حکیم کا یہ حکم صریح متوجہ کرتا ہے۔

یا ایُّھا الَّذِیْنَ آمنُوا عَلَیْکُمْ اَنْفُسَکُمْ لَا یَضُرُّ مَنْ ضَلَّ اذا اھتد یتُمْ

اے ایمان والو! تم پر اپنی جانوں کا فکر لازم ہے اگر تم ہدایت یافتہ ہو تو جو شخص گمراہ ہے تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ (القرآن ۵۔۱۰۵)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ علیکم انفسکم''

Marfat.com
Marfat.com

کا ترجمہ، ''محافظت خویشتن را'' کرتے ہیں۔ مشہور محقق ملا حسین واعظ کاشفیؒ نے اپنی تفسیر، تفسیر حسینی'' میں علیکم انفسکم کی تفسیر ''محافظتِ نفس والتزام اصلاحِ نفس'' کے الفاظ سے فرمائی ہے۔ محافظتِ نفس، محافظت خویشتن رایا' برخودنگہداری' تحفظِ خودی ہی کے مختلف نام ہیں اور التزام واصلاحِ نفس، تربیت خودی ہی کے مختلف مراحل ہیں ۔ گویا اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ اے ایمان والو! اپنی خودی کو مستحکم کرو اور اگر تم نے احکام الٰہی پر عمل کر کے اور اتباعِ رسول کو شعار بنا کر اپنی خودی کو مستحکم کر لیا تو تمہارے دشمن تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچا سکیں گے۔ حزن وملال اور خوف وضرر سے نجات حاصل کرنے اور جہاں میں غالب وکامران ہونے کے لئے قرآن نے ایمان کو شرطِ لازم قرار دیا ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَ لَا تَحْزَنُوا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ.

''اور نہ ہمت ہارو اور نہ غم کرو اور تمہیں سربلند ہو گے اگر تم سچے مومن ہو۔''

تکمیل خودی دراصل تکمیلِ ایمان کا دوسرا نام ہے۔ اس کے لئے کمال اطاعت شرط ہے۔ اور کمالِ اطاعت ضبطِ نفس سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے اقبال نے استحکام خودی یعنی تکمیل ایمان کے لئے اطاعت اور ضبط نفس کے مراحل تربیت بیان کئے ہیں۔ جنہیں طے کر کے بندہ حق نیابتِ الٰہیہ کے مقام پر فائز ہوتا ہے۔ خودی کے مراحلِ تربیت جاننے سے پہلے اس کی حقیقی عظمتوں سے آشنائی لازم ہے۔ اس سلسلہ میں ہم اقبال کے بیان فرمودہ'' اسرار خودی'' کا جائزہ لیتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

اسرارِ خودی

رازدانِ خودی حکیم الامت علامہ اقبالؒ خودی کے اسرار بیان کرتے ہوئے ابتدائی عنوان قائم کرتے ہیں کہ ''نظامِ عالم کی اصل خودی سے ہے اور کائنات میں زندگی کا تسلسل اور تعیناتِ وجود کا انحصار استحکام خودی پر ہے۔''

یہاں خودی سے ان کی مراد انائے مطلق (خدا) ہے جو اصلِ نظام عالم ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ کائنات میں ہر شے اسی انائے مطلق کے اثر سے پیدا ہوئی ہے۔ عنوانِ بحث ''اصلِ نظامِ عالم از خودی است'' میں از خودی است کا جملہ محلِ نظر ہے مطلب یہ ہے کہ یہ کائنات خدا سے ہے یعنی اس کی ذات وصفات کی تجلیات کی مظہر ہے یہی صوفیائے اسلام کا عقیدہ مسلک وحدت الوجود ہے۔ جسکی تعبیر ''ہمہ از اوست'' سے کی گئی ہے۔ یعنی سب کچھ اسی سے ہے۔ یہ کائنات تخلیق سے پہلے اپنے خالق ''انائے مطلق'' کے ذہن میں عالم پندار کی صورت موجود تھی۔ جب اس نے اسکی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو انائے مطلق کا علمِ ازلی کائنات کی شکل میں آشکار ہوا۔ اس خالقِ عظیم کی ذات میں ایسے سینکڑوں جہان پوشیدہ ہیں۔ اس کے جلوے لامتناہی اور اسکی قدرت لامحدود ہے۔ ہماری خودی انائے مقید، پرتو ہے انائے مطلق کا۔ جب ہم انائے مطلق کا اثبات کرتے ہیں تو انائے مقید کا ثبوت بھی ہو جاتا ہے کہ مطلق کا تصور مقید کے بغیر ناممکن ہے۔ اگرچہ انائے مطلق (حق تعالیٰ) کا کوئی غیر نہیں۔ (غیر اللہ کا وجود ہی نہیں ہے) لیکن تعینات کی وجہ سے انائے مقید انائے مطلق کا غیر سمجھی جاتی ہے۔ اور اسی کے سبب عالم میں پیکار و خصومت پائی جاتی ہے۔

غیر کا وجود محض ذہنی اور وہمی ہے۔ اقبال نے کہا کہ

'' خویشتن را غیر خود پنداشت است ''

اور

'' ساز داز خود پیکر اغیار را ''

یہاں غیر خود اور از خود پیکرِ اغیار کی تراکیب قابل غور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انائے مقید انائے مطلق کا غیر نہیں لیکن چونکہ وہ تعین کے پردے میں ہے اس لئے غیریت کا رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ جب تک یہ پردہ قائم ہے، انائے مقید اپنے آپ کو انائے مطلق کہہ نہیں سکتا۔ اس لئے غیر سمجھا جاتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں۔

کہ انائے مطلق نے از خود پیکرِ اغیار اس لئے تراشا، تاکہ کائنات کی رونق بڑھائے۔ اس محفل کائنات کی رونق، لذتِ پیکار کے دم سے ہے۔ خدا نے بنی آدم کو پیدا کیا اور ان کی ترقی کے لئے تصادم اور پیکار کو شرط قرار دیا۔

Marfat.com
Marfat.com

اقبال کے نزدیک یہ جنگ وجدل اور خونریزی جو بظاہر بڑی مذموم دکھائی دیتی ہے حقیقت میں عین حیات ہے۔ نظام عالم میں ارتقاء کا عمل اسطرح جاری رہا ہے کہ ایک گلِ سرسبد کے کھلنے کیلئے سینکڑوں گلستانوں کا خون ہوا، یعنی فطرت نے لاکھوں گلشن بنا کر بگاڑ ڈالے۔ تب جا کر پھول میں یہ رعنائی اور دلکشی پیدا ہوئی۔ ایک بلبل کے نغمہ شیریں کی تخلیق میں لاکھوں برس تک بلبلیں پیدا ہوتی رہیں اور مرتی رہیں۔ انسان نے لاکھوں برس بولنے کی کوشش جاری رکھی۔ کروڑوں الفاظ کا خون کیا، تب اسے ایک لفظ کو صحیح طور پر ادا کرنا آیا۔ یہ سب کیوں ہے، اس لیے کہ جمال معنوی کے اظہار میں اتمام وکمال کے لیے ہر شے تنازع للبقاء میں مصروفِ پیکار ہے اس تنازع کا نتیجہء بقائے اصلح کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی وہی اشیاء باقی رہ جاتی ہیں جو اصلح ہوتی ہیں۔ جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس ارشاد ربانی کے مصداق کہ

وَامّاما ینفعُ النّاسَ فیمکثُ فی الارض

''اور جو شے انسانوں کے لئے نفع رساں ہوتی ہے۔ پس وہ زمین میں قائم رہتی ہے۔''

کائنات میں حصول مقصد کے لئے مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے بلکہ زندگی نام ہی جہدِ مسلسل کا ہے۔

کائنات میں ہر لمحہ ہر جا، ہر شکل میں انائے مطلق کے جلال و جمال کی جلوہ نمائی ہو رہی ہے۔

الله نور السمٰوٰت والارض

''اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔''

کائنات کا ذرہ ذرہ حق تعالیٰ کی جلوہ گری کا مظہر ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھلا ایسا کیوں ہے۔ انائے مطلق نے ایسا کیوں کیا؟ اقبال کہتے ہیں کہ ظہور و تجلی حق تعالیٰ کی ذات کا تقاضا ہیں۔ انائے مطلق کو اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی خو ہے اور کائنات کے ذرے ذرے میں اسی کی قوت پنہاں ہے۔

وانمودن خویش راخوئے خودی است
خفتہ در ہر ذرہ نیروئے خودی است

انائے مطلق کی کارفرمائیوں کے اظہار کے بعد اقبال انائے مقید کی طرف آتے ہیں۔ اور بتاتے ہیں کہ انسانی خودی جس قدر مضبوط و مستحکم ہوگی، اسی قدر اس میں انائے مطلق کا رنگ پیدا ہو جائے گا۔ جس طرح قطرہ اپنی خودی کے استحکام سے گوہر بن جاتا ہے۔ موج جب تک سمندر میں بحر کے کندھوں پر سوار رہتی ہے موج کہلاتی ہے۔ اگر وہ سطح بحر سے سر نہ ابھارے تو اس کا وجود متحقق نہ ہوگا۔

'' ہستم اگر می روم گر نروم نیستم ''

پہاڑ اگر اپنی خودی کھودے اور ذرات میں منتشر ہو جائے تو صحرا بن جائے اور سیلِ دریا کی تاب نہ لا سکے۔

Marfat.com
Marfat.com

الغرض جو شے جس قدر استوار و مضبوط ہوگی، اسی قدر زندہ ہوگی۔ استواری کے لئے پہلے اپنے ہونے کا احساس ضروری ہے اور یہی احساس جس قدر قوی تر ہوگا، اسی قدر خودی مضبوط تر ہوگی۔ پس بقدر استواری زندگی است۔ جب انسانی خودی اپنے آپ کو مستحکم کر لیتی ہے تو اس میں بے اندازہ قوتیں پیدا ہو ہو جاتی ہیں۔ استواری سے قبل اگر وہ نہر کی طرح تھی تو بعد از استواری بحر بیکراں بن جاتی ہے۔

چوں خودی آرد بہم نیروئے زیست
می کشاید قلزمے از جوئے زیست

اسرار خودی کے دوسرے مبحث کا عنوان ہے۔

''حیاتِ خودی مقاصد کی تخلیق و تولید کے دم قدم سے ہے'' اقبال کے نزدیک انسانی خودی حصولِ مقصد کی لگن سے زندہ تر ہوتی ہے۔ زندگی کی بقا اسی میں ہے کہ کوئی واضح مقصدِ حیات سامنے ہو اور حصولِ مقصد کے لئے آرزو اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر محض مقصد متعین ہو اور اس کے حصول کی تڑپ دل میں نہ ہو تو مقصد نہیں ہو سکتا۔ اقبال کہتے ہیں کہ مقصد و مدعا بقائے حیات کے ضامن ہیں۔ یہ کاروانِ حیات کے لئے بانگ درا کا کام کرتے ہیں۔ زندگی آرزو و جستجو میں مضمر ہے۔ اپنے دل میں آرزو کو زندہ رکھ ورنہ تری مشتِ خاکِ بدن تیرا مزار بن جائے گی۔ آرزو اس جہانِ رنگ و بو کی جان ہے۔ اس کائنات میں ہر شے کی فطرت امینِ آرزو ہے۔ آرزو، تمنا دل کو زندہ رکھتی ہے۔ اور دل کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔ تب و تابِ آرزو سے ویرانہء دل، آئینۂ دل بن جاتا ہے۔ آرزو پیکرِ خاکی کو طاقت پرواز بخشتی ہے۔ یہ عقل و ادراک کی رہنما اور دستگیر ہے۔ اور اسے منزل آشنا ہی نہیں، منزل رسیدہ کرتی ہے۔ گرمیِ آرزو سے مردہ دلوں میں زندگی کی حرارت انگڑائی لیتی ہے۔ اور جب دل زندہ ہوتا ہے تو اس میں حق تعالیٰ کی محبت کے علاوہ کچھ باقی نہیں رہتا۔ دل کی زندگی غیر اللہ کے لئے موت کا پیام ہوتی ہے۔ آرزو کی قوت سے عظیم مقاصد کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔ یہ وہ قوت ہے۔ جو انسان کو آمادۂ عمل کرتی ہے اور رزمگاہِ حیات میں برسرِ پیکار رکھتی ہے۔ آرزو کی نفی سے زندہ، مردہ ہو جاتا ہے۔ اور گرمیِ آرزو کا نقصان شعلۂ حیات کی افسردگی کا سبب ہوتا ہے۔ قطع آرزو زندگی کے لیے سامان مرگ ہے۔ نامرادی اور مایوسی قویٰ حیات کو فنا کر دیتی ہے۔ اور سرچشمۂ حیات ان کے سبب خشک ہو کر رہ جاتا ہے۔

مرگ را ساماں ز قطع آرزوست
زندگانی محکم از لا تقنطوا ست

زندگی کی قدر و قیمت آرزو ہی کے دم قدم سے ہے۔ آرزو حقیقی سرمایہ حیات ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

زندگانی رابقا ازمدعا ست
کاروانش را ، درا ، ازمدعاست
آرزو را، در دلِ خود زندہ دار
تانگر دد مشتِ خاک تومزار
دل ز سوزِ آرزو گیرد حیات
غیر حق میرد چو او گیرد حیات

انسان جب تک مقصدِ حیات سے آگاہ اور شرابِ مقصد سے سرشار نہ ہو، بیگانۂ عمل اور بیکارِ محض ہوتا ہے۔ مقصد، انسانی زندگی کے لئے اسی طرح اہم ہے جس طرح سانس لینے کے لئے تازہ ہوا ضروری ہے۔ مقصد ایک تابندہ ستارہ کی طرح ہے جو کاروانِ حیات کی سوئے منزل رہنمائی کرتا ہے۔ اور ساتھ ہی گمرہی اور بیگانگی ءمنزل کا خاتمہ کرتا ہے۔ وہ ایک ایسی آتشِ سوزاں ہے جس سے راہِ حق کے علاوہ تمام راستے جل کر راکھ ہو جاتے ہیں۔ مقصد کی لگن انسان کو ماسوئ اللہ سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ انسان کا مقصدِ حیات اس قدر ارفع و اعلیٰ ہے کہ آسماں سے بھی بالاتر ہے اور اس قدر دلربا و دلکش ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی مقصد دلفریب ہو ہی نہیں سکتا۔ باطل کے لیے بربادی کا پیغام اور غیر اللہ کے لیے سراپا محشر ہے۔

مقصد ے مثل سحر تابندۂ
ما سوئ را آتش سوزندۂ
باطلِ دیرینہ راغارت گرے
فتنہ ورچیے سراپا محشرے

ہم اس جہان میں تخلیقِ مقاصد ہی سے زندہ ہیں۔ اور یہ شعاعِ آرزو وہی ہے جو ہماری حیات کی تابندگی کا سبب ہے۔ ہماری زندگی میں سوز و سرور اور نور اسی کا عطا کردہ ہے۔

ماز تخلیق مقاصد زندہ ایم
ازشعاعِ آرزو تابندہ ایم

حقیقت یہ ہے کہ جب تک جینے کا مقصد معین نہ ہو۔ نگاہوں کے سامنے کوئی منزل اور نصب العین نہ ہو، دل میں کوئی محبوب و دلربا موجود نہ ہو تو انسان کے قوائے فکر و عمل مردہ و مضمحل رہتے ہیں۔ عزم و ارادہ میں پختگی، جذب و شوق میں گرمی اور فکر و نگاہ میں وسعت و بلندی اسی وقت پیدا ہوتی ہے۔ جب دل میں منزلِ مقصود کی تڑپ اور تصور میں جمالِ حبیب کی دلکشی سمائی ہو۔ اگر مدعا سامنے ہو تو قلب و دماغ دونوں سرگرمِ عمل رہتے ہیں۔ اقبال

Marfat.com
Marfat.com

فقر غیور

کہتے ہیں کہ یہ جہان ایک نغمہ زارِ آرزو ہے۔ اس نغمہ زار میں زیروبم حیات، آرزو کے تاروں کو چھیڑنے سے پیدا ہوتا ہے۔ مری نگاہ میں جو کچھ موجود ہے سب روزگارِ آرزو کا ایک لمحہ ہے۔

جہاں یک نغمہ زار آرزوئے
بم وزیرش زتار آرز وئے
بچشم ہر چہ ہست وبود باشد
دمے از روزگار آرزوئے

ایک اور مقام پر مخاطب سے یوں گویا ہوتے ہیں کہ اگر رمزِ حیات سے آگہی چاہتے ہو تو اسے کسی ایسے دل میں مت تلاش کرو جو خلشِ خارِ آرزو سے محروم ہو کیونکہ جس دل میں خلشِ خارِ آرزو نہیں وہ دل رمقِ حیات سے عاری ہے۔

اگر ز رمز حیات آگہی مجو دیگر
دلے کہ از خلش خار آرزو پاک است

مدعا اگر ہمارے رخشِ حیات کی مہمیز بن جائے تو ہمارا شبدیز مانند صرصر اڑنے لگے گا۔ اور ہماری مخفی قوتیں ہمیں برق رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف لے جائیں گی۔ مدعا ہماری رگوں میں گردشِ خون کو تیز تر کر دیتا ہے۔ یہ ہمارے سازِ ہمت کی مضراب ہے۔ مدعا ایک ایسا مرکز و محور ہے کہ جو ہر قوت کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے۔ اپنے مقصود و محبوب کا کا دیوان بن جا اور اس شمع مدعا کے لیے پروانگی اختیار کرتا کہ تیری رسائی منزلِ مقصود تک ہو۔

مدعا گردد اگر مہمیز ما
ہمچو صرصر می رود شبدیز ما
گردش خونے کہ در رگہائے ماست
تیز از سعی حصول مداست
مدعا مضراب ساز ہمت است
مرکزے کو جاذب ہر قوت است
شاہد مقصود را دیوانہ شو
طائف ایں شمع چوں پروانہ شو

زوالِ بندۂ مومن کا سبب بیان کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں کہ ایک شب میں نے خدا کے حضور زار و قطار روتے ہوئے فریاد کی۔ خدایا مسلمان آج کیوں ذلیل و خوار ہیں۔ آواز آئی کیا تو نہیں جانتا کہ یہ نامراد قوم دل

Marfat.com
Marfat.com

رکھتی ہے۔مگر دلدار نہیں رکھتی۔

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلمانان چرا زارند و خوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند و محبوبے ندارند

ہمارے دشتِ روح کی تنگ دامانی اور محملِ دل کی بے لیلائی نے ہماری بزم کو صاحبِ جنوں سے محروم کر رکھا ہے۔

قیس ما سودائی محمل نشد
در جنونِ عاشقی کامل نشد

قیس پیدا ہو تری محفل میں یہ ممکن نہیں
تنگ ہے صحرا ترا محمل ہے بے لیلیٰ ترا

مسلمانوں میں نماز روزہ، قربانی حج جملہ اسلامی شعائر موجود ہیں لیکن ان کے دل آرزو سے خالی ہو چکے ہیں۔اس لئے وہ دنیا سے مٹ رہے ہیں۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

اقبال کے ہاں نیشِ آرزو کی بڑی اہمیت ہے۔نیش آرزو کے بغیر نوشِ بادۂ مقصد ممکن نہیں۔وہ بے نیشیٔ آرزو کو مسلمانوں کے زوال کا سبب جانتے ہیں۔

طبیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

اقبال طلب کوشی کو حصولِ مقصد کی ضمانت سمجھتے ہیں اور مسلمان کو جادہ ءاستقامت پر ثابت قدم رہنے اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے دل میں طلبِ صادق ہے تو منزل خود تمہارے قدموں میں آجائے گی۔

Marfat.com
Marfat.com

در طلب کوش مدہ دامن امید زدست
دولتے ہست کہ یابی سرِ را ہے گاہے

اسرارِ خودی کے ضمن میں اقبال نے مقصد حصولِ مقصد کی لگن کی اہمیت واضح کرنے کے بعد یہ عنوان قائم کیا ہے کہ

خودی عشق و محبت سے استحکام حاصل کرتی ہے۔

محبت خودی کی استواری کا ذریعہ ہے۔ انسانی خودی محبت سے زندہ تر، پائندہ تر، سوزندہ تر اور تابندہ تر ہو جاتی ہے۔ فطرتِ انسانی عشق سے آتش اندوز ہو کر عالم افروزی کا ہنر سیکھتی ہے۔ عشق انسان کو حیات دوام عطا کرتا ہے۔ نگاہِ عشق سخت پتھروں کو پھاڑ دیتی ہے۔ اور بندہ حق عشق الٰہی سے سراپا پرتو جمال حق بن جاتا ہے۔

از نگاہِ عشق خارا شق شود
عشق حق آخر سراپا حق شود

خود عشق سے محکم ہو کر کائنات پر فرمانروا قوت بن جاتی ہے۔ پھر اس صاحب فقر کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے جو اپنی خودی کا استحکام کر لیتا ہے۔ اس کی انگلی کے ایک اشارے سے مہتاب شق ہو جاتا ہے۔ اس رزمگاہِ حیات میں اسے حاکم کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جملہ شاہانِ جہاں اس کے تابع فرماں ہو جاتے ہیں۔

از محبت چوں خودی محکم شود
قوتش فرمانده عالم شود

پنجه او پنجه حق می شود
ماه از انگشت او شق می شود

درخصومات جہاں گردد حکم
تابع فرمان او دارا و جم

کلام اقبال میں عشق و محبت کے لئے بہت سے مترادفات اور استعارات ملتے ہیں۔ سوز و گداز، درد و شوق، قلب و نظر، رقصِ جاں، نورِ جاں، دیدِ جاں، جذبِ دروں، تمام عشق کے مترادفات ہیں۔ اور یہ اصطلاحیں اقبال کو اپنے مرشدِ روحانی مولانا روم سے ملی ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

آدمی دیداست باقی پوست است
دیدآں باشد کے دید دوست است

مولانا روم فرماتے ہیں کہ آدمی تو فقط دید ہے باقی تمام پوست ہے۔فقط ایک جذبہ محبت آدمی کی اصل حقیقت ہے جواس کی روح ہے۔اورفی الحقیقت دیکھتا وہی ہے جونگاہِ عشق سے دیکھتا ہے،اس لیے۔

جملہ تن را درگزار اندر بہ سر
در نظر رو ، در نظر رو ، در نظر

اقبال مرشدرومی کی اتباع میں یوں گویا ہوتے ہیں۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

مرشدرومی،نورِجاں ہی کوانسان کی حقیقت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میری ہستی کا راز میرے اندر پوشیدہ ہے لیکن ان ظاہری آنکھوں اور کانوں میں اسے جاننے کی صلاحیت نہیں کیونکہ وہ نورِجان سے عاری ہیں۔ اگرچہ بدن جان سے اور جان بدن سے مستور نہیں ہے مگر دیدِ جاں کا دستور ہی نہیں۔اس لئے کوئی زندگی کی حقیقت کو کیا سمجھے۔

سرِ من ازنالہ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آن نور نیست
تن زجان و جاں زتن مستور نیست
لیک کس رادیدِ جاں دستور نیست

مرید ہندی کہتے ہیں۔

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جانِ پاک جسے
یہ رنگ و نم ،یہ لہو، آب و ناں کی ہے بیشی

زندگی جذبۂ عشق کے بغیر ایک خالی جام ہے۔محبوب کی طلب وآرزو اس جام میں شرابِ ناب کا اثر رکھتی ہے۔جورفتار کو تیز کردیتی ہے۔زندگی کو جہد مسلسل اور عمل تسخیر بنادینا عشق کا کام ہے۔عشق وہ افسوں ہے جس سے تسخیر کائنات کے معجزے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔لیکن یہ طلب یہ لگن یہ آرزو کس طرح جنم لیتی ہے۔؟اقبال کہتے ہیں کہ زندگی ایک شکاری ہے۔جس کے لئے آرزو شوق بمنزلہ ہتھیار ہیں۔ہر وہ شے جوخوب وزیبا اور جمیل ہے۔ دشت طلب میں میری دلیل ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

ہر چہ باشد خوب و زیبا و جمیل
در بیابانِ طلب مارا دلیل

حسن پروردگارِ عشق ہے۔ حسن خلاقِ بہارِ آرزو ہے۔ جلوہ حسنِ محبوب سینے میں آرزو کو جوان کرتا ہے۔ اس پیکرِ جمال وخوبی کا جلوہ حسن جسے قرآن نے عبدہٗ کہہ کر پکارا، وہ سراپا حسن جہان شوق کا پروردگار ہے

مقامش عبدہٗ آمد و لیکن
جہانِ شوق را پروردگار است

وہ نازِ حسن وخوبی جس کے حسن کا پرستار خود سراپا حسن بن جاتا ہے اور جس کے چاہنے والوں کا عاشق خوبانِ جہاں سے خوب تر، خوشتر وزیباتر ومحبوب تر ہو جاتا ہے۔

سراپا حسن بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق
حسین ایسا بھی ہے اے دل کوئی آخر حسینوں میں

اسکی ادائے ناز پر خود خلاقِ حسن پھڑک اٹھتا ہے ؎

پھڑک اٹھا کوئی تیری ادائے ما عرفنا پر
ترا رتبہ رہا بڑھ چڑھ کے سب ناز آفرینوں میں

اسی کے عشق پاک سے دل توانا ہوتے ہیں، اسی سے مشت خاک کو طاقتِ پرواز مل جاتی ہے کہ وہ ہمدوش ثریا ہوتی ہے۔ اس محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ وتسلیم کا مقام واحترام بندہ مومن کے دل میں ہے اور ہماری عزت وآبرو اسی حبیب کے اسم گرامی کے صدقے ہے۔ اس کے غبار خانہ سے سینکڑوں جلوہ ہائے طور پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا بیت المکرم کعبے کا کعبہ ہے۔

طور موجے از غبارِ خانہ اش
کعبہ رابیت الحرم کاشانہ اش

ابد اس کے اوقاتِ مقدس کے ایک لمحہ سے بھی کم تر ہے۔ ازل تا ابد ہر شے کی تخلیق وافزائش اسی کے وجود رحمت سے مشتق ہے ؎

کمتر از آنے زا وقاتش ابد
کا سب افزائش از ذاتش ابد

وہ سراپا فقر جو خود بوریا نشیں تھے مگر کسریٰ کے تاج وتخت ان کے غلاموں کے قدموں میں پڑے تھے۔ جب شبستان حرا کی خلوتوں سے نکلے تو ایک نئی قوم، ایک نیا آئین اور ایک نئی حکومت پیدا کر دکھائی۔ اس آقا و

Marfat.com
Marfat.com

مولا نے کتنی راتیں فکر امت میں جاگ جاگ کا گزاریں تا کہ ان کی قوم تختِ خسروی پر آرام کرے۔

ماند شبہا چشم او محروم نوم

تا بہ تختِ خسروی خوابید قوم

رزمگاہِ حق و باطل میں ان کی تلوار فولاد کو کاٹنے والی تھی اور وقتِ نماز ان کے دیدہ بینا سے اشکوں کی لڑی جاری رہتی تھی۔ ان کی شمشیر بے زنہار نے جو انکی فتح کی دعا کے لئے بمنزلہ آمین تھی سلاطین وملوک کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔

اس شہنشاہِ عرب وعجم نے دنیا کو ایک نیا آئین دیا اور دین کی کنجی سے دنیا کا در کھولا۔ دین و دنیا میں توازن پیدا کیا۔ اس کی نگاہ میں پست و بالا غریب و امیر سب برابر تھے۔ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ ایک ہی دسترخواں پر بیٹھتے تھے۔

درنگا ہے او یکے بالا و پست

با غلام خویش بریک خواں نشست

روز حشر اس حبیب کبریاؐ کی ذاتِ اقدس ہمارا اعتبار ہوگی اور دنیا میں بھی وہی ذات ہماری پردہ پوشی کرنے والی ہے۔ اس کا لطف وقہر دونوں اہل عالم کے لیے رحمت ہیں۔ لطف یاروں کے لیے رحمت اور قہر دشمنوں کے لیے رحمت۔ وہ مولائے کریم جس نے اعداء پر رحمتوں کے در کھول دیئے اور فتح مکہ کے دن اہل مکہ کو (جو ان کے جانی دشمن تھے) لاتثریب کا مژدہ سنایا کہ جاؤ تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

لطف و قہر او سراپا رحمتے

آں بیاراں ایں باعدار حمتے

آں کہ براعدا در رحمت کشاد

مکہ را پیغام لا تثریب داد

ہمارے سینے اسی محبوب کریم ﷺ کی محبت سے آباد ہیں۔ ہماری نگاہوں سے اسی کی صہبائے عشق کا خمار ہے۔ مسلمان اس صراحی کی مانند ہیں جس میں محبتِ رسول کی شراب بھری ہو۔ حضور سید ﷺ نے امتیازاتِ نسب کو اسطرح مٹایا کہ آپ کے عشقِ پاک کی آتش سوزندہ سے رنگ ونسب کے امتیازات خس وخاشاک کی طرح جل کر راکھ ہوگئے۔ مسلمانوں کی پہچان اس گل صد برگ کی سی ہے جس میں پنکھڑیاں بیشمار ہیں مگر سب میں بو باس ایک جیسی ہے۔ وہ ذاتِ مقدس جانِ کائنات ہے، وہ اپنی مصطفائی میں یکتا ہے۔ میری زندگی کی تنہائیاں اور ویرانیاں اسی کے شورِ محبت سے آباد ہوئی ہیں اور میرے دلِ بیتاب سے اس کی محبت کے سینکڑوں نغمات پھوٹ

Marfat.com
Marfat.com

نکلے ہیں۔ میں کیا کہوں کہ اس محبوب کریم کی محبت کیا ہے، جس کے فراق میں کھجور کا خشک تنا زار و قطار رونے لگا۔ ایک مسلمان کی زندگی نور نبوت کی تجلی گاہ ہوتی ہے۔ بندۂ مومن پیکر سنت رسول ﷺ اور مظہر جمال مصطفوی ہوتا ہے۔ اس کی راہگذر سے صد جلوہ ہائے طور پیدا ہوتے ہیں۔ محبوب کریم ﷺ کے شہر پاک مدینہ طیبہ کی خاک دو عالم سے خوشتر ہے۔ وہ پیارا شہر جہاں ہمارے محبوب آرام فرما ہیں۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است
آں خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

وہ ذات اقدس کتاب کونین کا دیباچہ ہے۔ جملہ اہل عالم اس کے خدام و غلام ہیں۔ وہ حبیب کریم ﷺ سارے جہاں کے آقا و مولا ہیں۔

نسخۂ کونین را دیباچہ اوست
جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

خودی سوال کرنے سے ضعیف ہوتی ہے۔

اس عنوان کے تحت اقبال فرماتے ہیں کہ اے مسلمان! تو کبھی شیروں سے خراج لیتا تھا۔ تجھے تیری حاجتمندی اور محتاجی نے روباہ مزاج بنا ڈالا ہے۔ تری خستگیوں کا سبب تری ناداری اور حاجتمندی ہے اور یہی بیماری تیرے درد کا باعث ہے۔

اے فراہم کردہ از شیراں خراج
گشتۂ رو بہ مزاج از احتیاج
خستگی ہائے تواز ناداری است
اصل درد تو ہمیں بیماری است

اٹھ اور خم خانۂ حیات سے وہ مے لالہ فام پی جو تجھے زندہ تر کر دے۔ زمانے کے سمندر سے اپنا گوہر گم گشتہ تلاش کر اور کسی کے آگے ہاتھ مت پھیلا کسی سے سوال نہ کر، غیر کا احسان اٹھانے سے بچ کہ غیر کی منت پذیری موت سے بدتر ہے۔ سیدنا عمر فاروقؓ کی ذات ترے لیے نمونہ ہے کہ جب بحالت سواری آپ کے ہاتھ سے تازیانہ گر گیا تو اسے زمین سے اٹھانے کے لئے آپ خود اونٹ سے نیچے اتر آئے اور اس معمولی کام کے لئے بھی کسی کا احسان لینا گوارہ نہ کیا۔

از خم ہستی مے گلفام گیر
نقد خود از کیسۂ ایام گیر

Marfat.com
Marfat.com

خود فرد آاز شتر مثل عمر
الحذر از منتِ غیر الحذر

دنیاوی جاہ ومنصب کے لئے کب تک بھکاری بنا رہے گا۔ ان دنیاوی مناصب اوران پر فائز لوگوں کی مثال ان بچوں کی سی ہے۔ جو بانس کی لکڑی کو گھوڑا بنا کر دوڑتے پھرتے ہیں۔ تری بلند فطرت احسانِ غیر اٹھانے سے پست ہو جاتی ہے۔

تا بکے دریوزہ منصب کنی
صورتِ طفلاں زنے مرکب کنی
فطرتے کو بر فلک بندد نظر
پست می گردد ز احسانِ دگر

سوال کرنے سے بھوک افلاس کی خواری اور بڑھ جاتی ہے اور گدائی سے گداگر، نادار تر، ہوتا چلا جاتا ہے۔
سوال کرنے سے اجزائے خودی پریشان ہو جاتے ہیں اور نخلِ سینائے خودی بے نور ہو جاتا ہے۔

ازسوال افلاس گردد خوار تر
از گدائی گدیہ گرنادار تر
ازسوال آشفتہ اجزائے خودی
بے تجلی نخل سینائے خودی

خوانِ غیر سے اپنا رزق نہ مانگ تا کہ روز حشر بحضور پیغمبر ﷺ شرمندہ وشرمسار نہ ہو۔ چاند اپنی چمک دمک کے لئے سورج کا ممنون ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے دل پر احسان مندی کا داغ ہے۔ حق تعالیٰ سے ہمت طلب کر اور آسمانوں سے لڑ جا، بھیک مانگ کر ملتِ بیضا کی آبرو خاک میں نہ ملا۔

رزق خویش از نعمتِ دیگر مجو
موج آب از چشمۂ خاور مجو
تا نباشی پیش پیغمبر خجل
روز فرداے کہ باشد جانگسل
ہمت از حق خواہ باگردوں ستیز
آبروئے ملتِ بیضا مریز

محنت ومشقت کر کہ وہ سالارِ دیں جس نے کعبۃ اللہ کو بتوں سے پاک کیا۔ اس کا فرمان ہے کہ ہاتھ سے

Marfat.com
Marfat.com

کام کرنے والا اللہ کا دوست ہے (الکاسب حبیب اللہ)

آنکہ خاشاکِ بتاں از کعبہ رُفت
مردِ کاسب راجیب اللہ گفت

افسوس ہے اس پر جو غیر کے ٹکڑوں پہ پلتا ہے اور اس کی گردن احسانِ غیر سے جھکی رہتی ہے۔ خوشا وہ تشنہ لب مردِ درویش جسے تمازتِ آفتاب میں پیاس کی شدت کے باوجود ایک پیالہ پانی کے لیے حضرت خضرؑ کا احسان اٹھانا بھی گوارا نہیں۔

وائے بر منت پذیرِ خوانِ غیر
گردنش خم گشتہ ء احسانِ غیر
اے خنک آں تشنہ کا ندر آفتاب
می نخوا ہد از خضر یک جامِ آب

اقبال کہتے ہیں اے مسلمان! سائل بن کر اپنی جبیں آبِ خجالت سے تر نہ کر۔ اپنی عظمت کی نگہداری کر۔ خدا نے تجھے شکلِ آدم پر پیدا کیا ہے تو اپنی حقیقت کو پہچان۔ آدمی بن کر رہ۔ محض ایک مشتِ خاک نہ ہو جا۔

تر جبیں از خجلت سائل نشد
شکلِ آدم ماندو مشتِ گل نشد

اس نیلگوں آسمان کے نیچے وہ جوان رعنا مثلِ صنوبر سر بلند ہوتا چلا جاتا ہے۔ جسے ناداری اور تہی دستی خوددار تر، بنا دیتی ہے۔ جو مفلسی میں کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتا بلکہ اپنی خودداری اور غیرتِ فقر کو قائم رکھتا ہے۔ اس کا بخت سو رہا ہوتا ہے۔ مگر اس کی خودی بیدار ہوتی ہے۔

زیرِ گردوں آں جوان ارجمند
می رود مثلِ صنوبر سر بلند
در تہی دستی شود خود دار تر
بخت او خوابیدہ او بیدار تر

وہ قطرۂ آبِ شبنم اچھا ہے جسے انسان اپنی محنتِ بازو سے حاصل کرے مگر غیر کی منت سے حاصل ہونا والا سمندر سیلِ آتش ہے۔

قلزمِ زنبیل سیلِ آتش است
گر زدست خود رسد شبنم خوش است

Marfat.com
Marfat.com

اقبال مسلمان سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں کہ زمانے کے سمندر میں مثلِ حباب مردانہ غیرت کے ساتھ جیو۔ جس طرح ایک بلبلہ پانی میں پیمانہ نگوں سار رکھتا ہے۔تم بھی اپنا کاسۂ گدائی الٹ دو اور اپنی خودداری کو قائم رکھو۔

چوں حباب از غیرتِ مردانہ باش
ہم بہ ، بحر اندر نگوں پیمانہ باش

حفاظتِ خودی کے ضمن میں اقبال نے ایک پرندے کی حکایت نظم فرمائی ہے جو تشنگی سے بیتاب تھا۔ اقبال کہتے ہیں کہ ایک پرندہ شدت پیاس سے پانی کی تلاش میں مارا مارا پھرتا تھا۔ اچانک اس کی نگاہ ایک ریزہ الماس پر پڑی۔ وفور تشنگی میں اسے قطرہ آب سمجھ کر اس کے قریب آیا اور چونچ ماری مگر اس کی چونچ تر نہ ہوئی۔ الماس نے کہا: مجھ پر منقارِ ہوس تیز کرنے والے پرندے میں تمہیں قطرۂ آب کی طرح دکھائی دیا ہوں مگر میں پانی کا قطرہ نہیں ہوں۔ میری آب سے تو پرندوں کی چونچیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ میرے سامنے تیری حقیقت ہی کیا ہے۔ اگر آدمی بھی مجھے چبانے کی کوشش کرے تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ پیاسا پرندہ مایوس ہوکر اڑنے کو تھا کہ اچانک ایک شاخِ گل سے قطرۂ شبنم ٹپک پڑا جسے پی کر پرندے نے اپنی پیاس بجھائی۔ یہ حکایت بیان کر کے اقبال فرماتے ہیں کہ اے مسلمان! اگر تری خواہش ہے کہ تو اپنے دشمن سے محفوظ اور اس پر غالب رہے تو اپنی خودی کی حفاظت سے ایک لمحہ بھی غافل نہ رہ۔ قطرہ شبنم کی بجائے ریزہ الماس بن اپنی خودی کو پہاڑ کی طرح مستحکم اور استوار کرتا کہ تجھ سے ٹکرانے والا خود پاش پاش ہو جائے۔

غافل از حفظ خودی یک دم مشو
ریزۂ الماس شو شبنم مشو

اگر تو قطرہ شبنم بنا رہے گا تو کسی دشمن کا لقمہ تر بن جائے گا اور اگر تو استحکام خودی کے ذریعے اپنے آپ کو مثلِ گوہر مستحکم و مضبوط کر لے تو تجھ پر اپنی منقارِ ہوس تیز کرنے والے اپنی چونچیں توڑ بیٹھیں گے۔ ترا دشمن جو تجھے چبانے کی کوشش کرے گا خود اپنی جان گنوا بیٹھے گا۔

ایک دوسری حکایت ''الماس و زغال'' کے عنوان سے نظم کی ہے۔

زمین میں کوئلے نے ہیرے سے کہا اگر چہ ہم دونوں کی اصل ایک ہے۔ ہم ایک ہی قبیلے سے ہیں مگر میں کان میں پڑے پڑے بیچارگی کی موت مرجاتا ہوں جبکہ تو شہنشاہوں کے تاجوں میں سجتا اور سرافراز رہتا ہے۔ میں اپنی بدہستی کے سبب خاک سے کمتر ہوں اور تیرے جمال سے دل کا آئینہ شق ہوتا ہے۔ میری سیاہی آتشدان کو روشن کرتی ہے۔ اور میرے جوہر کا کمال راکھ ہو جانا ہے۔ ہر کوئی مجھے پیروں تلے روندتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ مگر تو کبھی کسی قیصر کی آنکھ کا تارا ہوتا ہے تو کبھی کسی خنجرِ شاہی کے دستے کی زینت۔

Marfat.com
Marfat.com

ہیرے نے جواب دیا۔ اے رفیق دیرینہ! میں بھی تری طرح بدہیت اور سیاہ تھا، میری خاک تاریک حفاظت و استحکام کے سبب نگینہ بن گئی۔ جب خودی ماحول سے جنگ آزما ہوتی ہے تو اس پیکار کے باعث پتھر کی طرح سخت ہو جاتی ہے۔ میرا پیکر پختگی اور استحکام کے سبب پرتو نور ہو گیا ہے۔ تو اپنے وجود خام کی وجہ سے خوار جہاں ہے اور اپنی نرم اندامی کے سبب جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ غم و خوف اور وسواس سے نجات حاصل کر اور حفظ خودی سے پتھر جیسی سختی اختیار کر کے ہیرا بن جا تا کہ تجھے دنیا میں عزت و وقار کا مقام حاصل ہو۔

فارغ از خوف و غم و وسواس باش
پختہ مثل سنگ شو الماس باش

اقبال فرماتے ہیں۔ جو سخت اور سخت گیر ہوتا ہے۔ اس سے دونوں جہاں اکتساب نور کرتے ہیں۔ اس مشت خاک (انسان) کی اصل حجر اسود ہے۔ جس کا مرتبہ طور سے بالاتر ہے۔ جو ہر کالے اور گورے کی بوسہ گاہ ہے۔ زندگی کی آبرو، پختگی اور استواری میں ہے۔ ناتوانی، ناکسی اور ناپختگی کا نام ہے۔ اور اس کا نتیجہ دنیا میں بے آبروئی ہے۔

می شود از وے دو عالم مستنیر
ہر کہ باشد سخت کوش و سخت گیر
در صلابت آبروئے زندگی است
ناتوانی، ناکسی، ناپختگی است

اسرار خودی میں اقبال نے گنگا اور ہمالیہ کے درمیان ایک مکالمہ نظم کیا ہے۔ ہمالیہ، گنگا سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ زندگی تو اپنے مقام پر بلند ہونے اور خیابان خودی سے گل چینی کر کے اپنے آپ کو استوار کرنے کا نام ہے۔ صدیاں گزر گئیں میں اپنے مقام پر ایستادہ ہوں۔ تو سمجھتا ہے کہ میں اپنی منزل سے دور ہوں حالانکہ میری ہستی کا ارتقاء اس قدر ہوا ہے کہ میں نے بلند ہوتے ہوتے آسمان کو جا لیا ہے۔ ثریا میری آغوش میں آرامیدہ ہے۔ میری چوٹی ستاروں کی سجدہ گاہ ہے۔ میری چشم بینا آسمانوں کے رازوں سے آشنا ہے۔ اور میرے کان ملائک کے پروں کی آواز سے مانوس ہیں۔ میں سعی پیہم کے سوز میں جلا ہوں اس لیے میرے اندر لعل و جواہر کی کانیں جمع ہو گئی ہیں۔ جبکہ تیری ہستی سمندر میں مل کر بے نشاں ہو جاتی ہے۔ اے رود گنگا تو بھی آپ کو اپنے ہاتھوں سے مت گنوا۔ اپنی خودی کا استحکام کر یا آب گہر حاصل کر کے اپنے دامن میں گہر ریزوں کی پرورش کر یا ذوق خود افزائی سے سبک ہو کر ابر برق انداز و دریا بار بن جا۔ اپنے اندر طوفان اٹھا اور سمندر میں فنا ہونے کی بجائے اس سے لڑ جا، تا کہ سمندر بھی تجھ سے طوفانوں کی گدائی کریں اور اپنی تنگ دامانی کا شکوہ کرتے نظر آئیں۔

Marfat.com
Marfat.com

قطرہ خود رابپائے خود مریز
در تلاطم کوش و با قلزم ستیز
از تو قلزم گدیۂ طوفاں کند
شکوہ از تنگیٔ داماں کند!

اقبال، شرحِ اسماءِ علی مرتضیٰؓ کے باب میں مردِ خوددار کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وہ مردِ خدا جس کی خودی مستحکم ہو جاتی ہے۔ زمانہ اس کے مزاج کے مطابق چلتا ہے۔ اگر جہاں اس کے لئے سازگار نہ ہو تو وہ اس سے لڑ جاتا ہے اور نظامِ کائنات کو زیروزبر کر کے رکھ دیتا ہے۔ وہ اپنی خودی کے زور سے ایک جہانِ تازہ پیدا کر لیتا ہے جو اس کے لئے سازگار ہوتا ہے۔

مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار
مزاج او بسازد روزگار
گر نہ سازد با مزاجِ او جہاں
می شود جنگ آزما با آسماں
برکند بنیادِ موجودات را
می دہد ترکیبِ نو ذرات را
گردشِ ایام را برہم زند
چرخ نیلی فام را برہم زند
می کند از قوتِ خود آشکار
روزگارِ نو کہ باشد سازگار

اقبال فرماتے ہیں کہ اگر دنیا میں مردوں کی طرح جینا ممکن نہ ہو تو مردانہ وار جان دے، دینا ہی زندگی ہے۔ مسلمان کے لیے عزت کی زندگی اور عزت کی موت کے علاوہ کوئی تیسری راہ نہیں ہے۔

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست!
ہمچو مرداں جاں سپر دن زندگیست

صاحبِ قلبِ سلیم بندہ حق عظیم مہمات سر کر کے اپنا زورِ بازو آزماتا ہے۔ مشکلاتِ عشق سے عہدہ برآ ہونا کیا اچھا کام ہے۔ بندۂ حق قوتِ عشق سے ہر مشکل کو آسان کر لیتا ہے۔ جس طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نارِ نمرود کو گلزار کر لیا۔

Marfat.com
Marfat.com

عشق بادشوار ورزیدن خوش است
چوں خلیل ؑ ازشعلہ گلچیدن خوش است

مردانِ عمل کی قوتِ کار مشکل پسندی ہی سے آشکار ہوتی ہے۔ اقبال کے نزدیک شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام ہے اور سخت کوشی سے تلخابہ حیات انگبیں بن جاتا ہے۔

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں

زندگی اس قوت کا نام ہے جو آشکارہ ہو جسے محسوس کیا جا سکتا ہو۔

آشکارہ ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے
ورنہ اک مٹی کے پیکر میں کہاں ہے زندگی

زندگی کی اصل، ذوقِ استیلا یعنی غالب آنے کی خواہش ہے۔ ہر انسان میں غالب آنے کا جذبہ فطری طور پر موجود ہوتا ہے۔ مگر جو شخص دوں ہمت، بزدل اور ناکس وخام ہوتا ہے، وہ اپنی ناتوانی اور بے کسی کو عفو وقناعت کے پردوں میں چھپاتا ہے۔

ممکنات قوتِ مردانِ کار
گردداز مشکل پسندی آشکار
زندگانی قوت پیدا ستے
اصل اوازذوقِ استیلا ستے
ہر کہ در قعر مذلت ماندہ است
ناتوانی راقناعت خواندہ است

ناتوانی اور ضعیفی زندگی کے لیے رہزن ہے۔ خوف اور جھوٹ اسی ناتوانی کے بطن سے جنم لیتے ہیں۔ یہ مکارم اخلاق سے تہی اور انہیں مٹانے والی ہے۔

ناتوانی زندگی را رہزن است
بطنش ازخوف ودروغ آبستن است

طاقت اور صداقت جزواں ہیں۔ توانائی حق کا خاصہ ہے۔ یہ زندگی کی کیمیتی کا حاصل اور رمز حق و باطل کی شرح ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

باتوانائی صداقت توام است
گر خود آگاہی ہمیں جام جم است
زندگی کشت است و حاصل قوت است
شرح رمزِ حق و باطل قوت است

اقبال حضرت داتا علی ہجویریؒ کی ایک حکایت بیان کرتے ہیں کہ

مرو (ترکستان) کا ایک نوجوان آپؒ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کی کہ میں دشمنوں میں گھر گیا ہوں۔ مجھے ان کے درمیان زندگی کرنے کا طریقہ سکھایئے۔

گفت محصورِ صفِ اعدا ستم
درمیانِ سنگہا مینا ستم
بامن آموز اے شہ گردوں مکاں
زندگی کردن میانِ دشمناں

داتا علی ہجویریؒ نے فرمایا! اے نامحرم رازِ حیات! تو زندگی کے آغاز و انجام سے بے خبر ہے۔ جو شے اپنے آپ کو کمزور و ناتواں سمجھنے لگتی ہے، اس کے دل سے مدافعت اور مقابلہ کی قوت سلب ہو جاتی ہے۔ پتھر جب اپنے آپ پر شیشہ ہونے کا گماں کرتا ہے تو شیشہ ہو کر ٹوٹنے لگتا ہے۔ اے نوجوان! اگر تو اپنے آپ کو کمزور سمجھتا رہے گا تو ناتواں ہو کر مٹ جائے گا۔ اس دنیا میں جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات ہے۔ اگر رہرو، اپنے آپ کو ناتواں سمجھ لے تو گویا اس نے اپنی نقدِ جاں خود رہزن کے سپرد کر دی۔

اے نوجوان دشمن کے خوف سے آزاد ہو اور تیرے اندر ایک قوت پوشیدہ ہے۔ اپنی اس خوابیدہ قوت کو بیدار کر

فارغ از اندیشہ اغیار شو
قوتِ خوابیدہ بیدار شو
سنگ چوں برخود گمانِ شیشہ کرد
شیشہ گرد یدو شکستن پیشہ کرد
ناتواں خود را اگر رہرو شمرد
نقدِ جان خویش رہزن سپرد

بال جبریل میں اقبال نے اپنی ایک نظم ابوالعلا معری میں اس حقیقت کو اسطرح بیان کیا ہے کہ:

Marfat.com
Marfat.com

کہتے ہیں کبھی گوشت نہ کھاتا تھا معری
پھل پھول پہ کرتا تھا ہمیشہ گزراوقات
اک دوست نے بھونا ہوا تیتر اسے بھیجا
شاید کہ وہ شاطر اسی تدبیر سے ہومات
یہ خوانِ تروتازہ معری نے جودیکھا !
کہنے لگا وہ صاحب غفران و لزومات
اے مرغک بیچارہ ذرایہ تو بتا تو
تیرا وہ گنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات
افسوس صدافسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
تقدیر کے قاضی کا یہ فتوی ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

اسی بات کوایک ایرانی شاعرایرج میرزانے ''قوی وضعیفہ'' کے عنوان سے نظم کیا ہے۔

قصہ شنیدم کہ بوالعلا ہمہ عمر
لحم نخور دو ذوات لحم نیا زرد
درمرضِ موت با اشارہ دستور
خادم او جوجہ بحضراو برد
گفت بطیراز چہ شیر شرزہ نکشتی
تانتواند کست بخون کشد و خورد
مرگ برائے ضعیف امرِ طبیعی است
ہر قوی اول ضعیف گشت و پس مُرد

داتا علی ہجویری نے مرو کے نوجوان سے فرمایا:

تو دشمن کی شکایت کرتا ہے۔ میں تجھے بتاتا ہوں کہ ترادشمن درحقیقت ترادوست ہے۔ اس کا وجود ترے لیے باعث رونق حیات ہے۔ دشمن تیرامددگار ہے کہ اس کی بدولت تیری مخفی قوتیں بروئے کار آتی ہیں اور آشکارہ ہوتی ہیں۔ ترادشمن جس قدر طاقتور ہوگا تجھے اسی قدر زیادہ لذتِ پیکار حاصل ہوگی۔

Marfat.com
Marfat.com

راست می گویم عدو ہم یار تست
ہستی اُو رونقِ بازار تست

زندگی اگر ذوقِ خراش کھو دے تو موت سے بدتر ہو جاتی ہے۔

دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت سے کھو دیتی ہے جب ذوقِ خراش

اقبال کے نزدیک زندگی دوام پیکار مسلسل میں ہے۔ فرماتے ہیں کہ ساحل سے کنارہ کش ہو کہ وہاں زندگی بہت سست گام ہے۔ اگر دشمن نہ ہو تو ممکنات حیات (فطری صلاحیتوں) کے اظہار کا موقع ہاتھ نہیں آتا۔ اقبال مخالف قوتوں کو زیر کرنے کے لیے مسلسل پیکار ہی کو حیات جاوداں قرار دیتا ہے۔ وہ ساحلوں پر بیٹھ کر بزم عیش سجانے کی بجائے طوفانوں میں کود کر موجوں سے لڑنے کو زندگی سمجھتا ہے۔

میآر ابزم بر ساحل کہ آنجا
نوائے زندگانی نرم خیز است
بدریا غلط و با موجش درآویز
حیات جاوداں اندر ستیز است

شیخ سعدی نے اپنے آپ کو زمانے کے مطابق ڈھال دینے کی نصیحت کرتے ہوئے کہا تھا۔

زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز

مگر اقبال نے اس کے برعکس یہ درس دیا کہ اگر زمانہ تیرے ساتھ مطابقت نہیں کرتا تو اُسے اپنا تابع بن جانے پر مجبور کر دے۔

حدیث بے خبراں ہے تو با زمانہ بساز
زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز

عدو کشتِ انساں کے لئے ابرِ باراں کی طرح ہے۔ جو شخص خودی کے مقامات سے آگاہ ہے۔ وہ دشمن قوی کو فضل خدا سمجھتا ہے۔

ہر کہ دانائے مقاماتِ خودی است
فضل حق داند اگر دشمن قوی است
کشتِ انسان را عدو باشد سحاب
ممکنا تش رابر انگیزد زخواب!

Marfat.com
Marfat.com

اگر ہمت قوی ہے تو سنگِ راہ ٹھوکر سے پانی ہو جاتا ہے۔ سیل بے پناہ کے سامنے راستے کے نشیب و فراز کوئی وقعت نہیں رکھتے بلکہ اہل ہمت کے رخشِ عمر کے لئے راہ کی رکاوٹیں تازیانہ ہوتی ہیں۔ اہل عزم کی راہ میں حائل ہونے والا پتھر ان کی تیغ عزم کے لیے سنگِ فساں بن جاتا ہے۔ اور قطع منزل ان کی تیغِ عزم کا امتحان ہوتا ہے۔

سنگ رہ آب است اگر ہمت قوی است
سیل راپست و بلند جادہ چیست
سنگ رہ گردد فسانِ تیغ عزم
قطع منزل امتحانِ تیغ عزم

اے نوجوان! حیوانوں کی طرح کھانے پینے اور پڑے رہنے سے کیا حاصل۔ اگر تیری خودی مستحکم نہیں تو ترا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ حفظ خودی سے اپنے آپ کو اسقدر مضبوط اور قوی بنا کہ تو اگر چاہیے تو کائنات کو درہم برہم کر دے۔

مثل حیوان خوردن آسودن چہ سود
گر بخود محکم نہ بودن چہ سود
خویش راچوں از خودی محکم کنی
تو اگر خواہی جہاں برہم کنی

تم اپنی خودی سے بیگانہ رہ کر فنا ہو جاؤ گے، اگر بقا چاہتے ہو تو اپنے آپ میں آباد ہو کر اپنی خودی کو مستحکم کر لو۔ موت خودی سے غافل ہو جانے کا نام ہے۔ اسے جان و تن کی جدائی سمجھ لیا ہے۔ خودی کے جان میں مثل یوسف قیام کرو تا کہ اسیری چاہ سے شہنشاہی مصر کی جانب سفر کر سکو۔

گر فنا خودہی ز خود آزاد شو
گر بقا خواہی بخود آباد شو
چیست مردن از خودی غافل شدن
توچہ پنداری فراقِ جان و جاں
در خودی کن صورتِ یوسف مقام
از اسیری تا شہنشاہی حرام

اے غافل نوجوان تو اپنی خودی کو پہچان اور مردِ میدان بن۔ بندہ حق بن کر بیم غیر اللہ سے آزاد ہو جا تا کہ حاملِ اسرارِ خودی ہو سکے۔

Marfat.com
Marfat.com

در خودی اندیش و مردِ کارشو
مرد حق شو حاملِ اسرار شو

''اندرزِ نجات نقشبند المعروف بابائے صحرائی'' کے عنوان سے اقبال نے استحکام خودی کے موضوع پر چند حکیمانہ نصیحتیں، اسرار خودی میں نظم فرمائی ہیں ۔ اقبال مسلمان کو بتاتے ہیں کہ اے بندہ حق تیرا پیکر اگرچہ مثل گل، یعنی مٹی سے بنا ہے مگر تیری اصل زمینی نہیں ہے۔ تو نے بطن خودی سے جنم لیا اور ترے اندر خودی کا نور چمکتا دکھائی دیتا ہے۔ تو اپنی خودی کو مستحکم کر کے تو حیات معلوم حاصل کر سکتا ہے۔

تو کہ از نورِ خودی تابندہ
گر خودی محکم کنی پائندہ

خودی ہی وہ متاع گراں بہا ہے کہ جسکی حفاظت تجھے جہاں میں سرافراز کر سکتی ہے۔ اور خواجگی کے مقام پر پہنچا سکتی ہے۔ اے مسلمان تو زندگی اور موت سے لرزاں و ترساں ہے۔ میں تجھے رازِ حیات بتاتا ہوں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اے مسلمان تو اگر زندگی کی حقیقت سے آشنا ہونا چاہتا ہے۔ تو مثل گوہر اپنے آپ میں غوطہ زن ہو جا اور اپنی معرفت حاصل کر۔

غوطہ در خود صورتِ گوہر زدن
یا پس زخلوت گاہِ خود سر برزدن

زندگی تو اپنے صدف میں گوہر بن جانے کا نام ہے۔ اپنے دل کے شعلے میں اتر جانے اور نہ پگھلنے کا نام ہے۔

زندگی درصدفِ خویش گہر ساختن است
در دلِ شعلہ فرورفتن و نگداختن است

حیات کیا ہے، اپنی خودی کے دریائے نور میں غوطہ زن ہونا۔ زندگی اپنی آپ میں تپ کر کندن بننے کا نام ہے۔

ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انگبیں

بحر خودی میں غوطہ زنی کیسے کی جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی ماہر فن غواص (مرشد کامل) سے یہ فن سیکھو ۔ کسی مرد خبیر، ولی کامل کی صحبت سے فیضیاب ہو۔ کیونکہ دنیا میں کوئی فن بھی محض پڑھنے لکھنے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے عمل، شرطِ لازم ہے۔ اور بحر خودی میں غواصی کے لئے کسی صاحبِ فن غواصِ کامل کی شاگردی

Marfat.com
Marfat.com

اور تقلید ضروری ہے۔ اس لئے مرشد رومی فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو

پیش مرد کاملے پامال شو

پس کسی مرد کامل کی راہنمائی میں باخویشتن خلوت گزینی اختیار کرو اور صدف دل کی خلوتوں سے گوہر تابندہ بن کر نکلو۔

اے مسلمان! اگر تو غیر کا منت پذیر رہے گا۔ تو زندگی کی حقیقت کو کبھی نہ پا سکے گا کیونکہ زندگی تو نام ہی طواف غیر سے آزاد ہونے اور کعبۂ دل کو بیت الحرم جاننے کا ہے۔

زندگی از طوف دیگر رستن است

خویش را بیت الحرم دانستن است

اے مسلمان تو جب تک جذب خاک سے خود کو آزاد نہیں کرا لے گا، لذت پرواز سے آشنا نہیں ہو سکے گا۔

جہاں میں لذت پرواز حق نہیں اسکا

وجود جسکا ز ہو جذب خاک سے آزاد

اپنی ہمت کے پروں سے جذب خاک سے آزاد ہو جا اور ایک بلند پرواز پرندے کی طرح مصائب سے محفوظ ہو جا۔

پرزن واز جذب خاک آزاد باش

ہمچو طائر ایمن از افتاد باش

اے مسلمان اگر تو سب علوم کرنا چاہتا ہے تو پیر روم کا یہ فرمان یاد رکھ کہ اگر تیرا مقصد حصول علم محض لذات دنیا سے متمتع ہونا ہے تو علم تیرے لیے زہر قاتل ہوگا لیکن اگر حصول علم کا مقصد محض رضائے الٰہی ہو تو علم تیرے حق میں سراپا خیر ہوگا۔ علم اگر حصول دنیا کی غرض سے حاصل کیا جائے تو سانپ بن جاتا ہے۔

اور اگر دل کو نور معرفت سے روشن کرنے کی نیت سے حاصل کیا جائے تو دوست بن جاتا ہے۔

علم را برتن زنی مارے بود

علم را بر دل زنی یارے بود

اسی لئے حضور سید عالم ﷺ دعا فرمایا کرتے تھے۔

اے اللہ میں اس علم سے تیری پناہ چاہتا ہوں جو مفید نہ ہو۔ علم کی بدولت انسان کائنات پر حکمران بن سکتا ہے، اسرار جہاں کو جان سکتا ہے۔ مگر اپنی حقیقت سے آگاہ نہیں ہو سکتا۔ اسرار خودی کا محرم بھی نہیں ہو سکتا۔ اور جب

Marfat.com
Marfat.com

تک انسان اپنی خودی کو نہ پہچانے اس کا جینا مرنا برابر ہے۔

اقبال نے اس ضمن میں مرشد رومیؒ اور شمس تبریزی کی ملاقات کا ایک واقعہ نظم کیا ہے۔

''ایک دن شمس تبریزیؒ اپنے مرشد شیخ کمال الدین جنیدیؒ کے حکم سے مولانا رومؒ کے مکتب میں پہنچے۔ پوچھا کہ یہ غوغائے قیل وقال۔ یہ کتابیں، یہ مکتب، یہ سب کیا ہے؟ مولانا روم نے فرمایا۔ یہ ہماری علمی باتیں ہیں جو تمہاری فہم سے بالاتر ہیں جاؤ اپنی راہ لو۔ اس پر شمس تبریزی جوش میں آگئے اور اپنی برقِ نگاہ سے مولانا روم کا سارا دفترِ کتب جلا کر راکھ کر دیا۔ اعجازِ عشق سے بیگانہ مولوی رومی نے پوچھا۔ یہ آگ کیسے لگی گئی۔ شمس تبریزیؒ بولے کہ یہ ذوق وشوق ہے۔ اس سے تمہارا کیا کام۔ یہ تمہارے فہم وادراک سے بالاتر ہے۔ اس واقعہ کو نظم کر کے اقبال کہتے ہیں کہ مسلمان کا علم سوزِ دل سے کامل ہوتا ہے۔ اور اسلام کے معنی ہر زوال آشنا چیز کو ترک کر دینا ہیں۔

علم مسلم کامل از سوز دل است
معنی اسلام ترک آفل است

سوزِ دل محبت الٰہی اور محبت رسول مقبول ﷺ کا استعارہ ہے۔ جب بندۂ حق کے دل میں اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت کائنات کی ہر شے کی محبت پر غالب آجاتی ہے اور وہ کائنات کی ہر زوال آشنا شے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ تو اس کا علم کامل ہوتا ہے۔

ترکِ آفل میں تلمیح ہے، اس قرآنی آیت کریم کی طرف

فَلَمَّا اَفَلَ قَالَ اِنِّی لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ

جب حضرت ابراہیمؑ نے ستارہ دیکھا۔ کہا کیا یہی میرا رب ہے۔ پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا زائل ہو جانے والوں کو میں پسند نہیں کرتا۔ بند آفل کنایہ ہے ماسویٰ اللہ سے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا تمام اشیائے عالم زوال پذیر ہیں۔ اقبال کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیمؑ بند افل سے آزاد ہو گئے یعنی انہوں نے ماسویٰ اللہ کو ترک کر دیا تو آگ کے شعلوں میں بھی آرام سے بیٹھے اور ان کے وجود کے فیضان سے نار، گل وگلزار ہو گئی۔

چو ز بندِ آفل ابراہیم رست
در میانِ شعلہ ہا نیکو نشت

وہ براہیمی نظر جو ہر زوال آشنا چیز کو ترک کر کے اپنے رب کو پہچان لے اور وہ ایمان جو آگ کے جہنم کو گلزارِ جنت بنا دے ترکِ آفل ہی سے حاصل ہوتے ہیں۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

Marfat.com
Marfat.com

اے مسلمان! تو نے علم حق کو پس پشت ڈال دیا اور ایک ٹکڑا روٹی کے لئے دین کو بیچ ڈالا۔ تو سرمہ علم کی تلاش میں دیارِ غیر میں مارا مارا پھرتا ہے حالانکہ تری چشم سیاہ جس سے تو بے خبر ہے کسی سرمہ کی محتاج نہیں۔ تیرے پاس بصیرت و بصارت کی وہ متاع ہے جو تجھے غیر کی دریوزہ گری سے مستغنی کر دے گی۔ ترے پاس علم و حکمت کا وہ خزانہ موجود ہے جس کے سامنے مغربی علوم و فنون سب ہیچ ہیں۔ تیرے پاس زندگی کے سارے سامان موجود ہیں۔ تجھے صرف سوز عشق کی ضرورت ہے۔ یہ سوزِ عشق تجھے دانش حاضر سے نہیں مل سکتا۔ اس لیے کہ دانش حاضر کے پاس کچھ نہیں۔

علم حق را در قضا انداختی
بہر نانے نقد دیں در باختی
گرم رو در جستجوئے سرمہ
واقف از چشم سیاہ خودانۂ

اے مسلمان! تو خنجر کی دھار سے آب حیات طلب کر مگر دانش حاضر میں سوز عشق مت تلاش کر۔ تو دہان اژدہا سے جام کوثر کی امید رکھ۔ مگر دانش حاضر سے سوز دل کی توقع نہ رکھ۔ درے خانہ سے سنگ اسود تلاش کرنا اور پاگل کتے سے مشک نافہ کی توقع رکھنا اس قدر عبث نہیں جتنا دانش حاضر سے سوزِ عشق تلاش کرنا ہے۔

آب حیوان ازدم خنجر طلب
از دہان اژدہا کوثر طلب
سنگ اسود از در بت خانہ خواہ
نافہ مشک از سگ دیوانہ خواہ
سوز عشق از دانش حاضر مجوے
کیف حق از جام این کافر مجوے

اقبال کہتے ہیں میں ایک مدت حصول علم میں مصروف تگ و دو رہا ہوں اور میں نے دانش نو کے رازوں کو جان لیا ہے۔ میں نے دانش حاضر کے گلستان سے خوشہ چینی کی ہے۔ باغبانوں نے میرا امتحان کر کے مجھے اس گلشن کا محرم و رازداں بنا دیا۔ یہ گلستان دانش کیا ہے ایک لالہ زار عبرت ہے۔ یہ کاغذی پھولوں کا باغ محض سراب نگہت اور فریب نظر ہے۔ اس لیے میں نے اس گلستان کی قید سے آزاد ہو کر شاخ طوبیٰ پر آشیاں باندھا ہے۔

مدتے محو تگ و دو بودہ ام
رازدان دانش نو بودہ ام

Marfat.com
Marfat.com

باغباناں امتحانم کردہ اند
محرمِ ایں گلستانم کردہ اند
گلستانے لالہ زار عبرتے
چوں گلِ کاغذ سراب نکہتے
تازبند این گلستاں رستہ ام
آشیاں بر شاخ طوبیٰ بستہ ام

جان لو کہ دانش حاضر محض بت پرست و بت فروش و بت گر ہے۔ یہ تمہارے لیے حقیقت رسانی کا ذریعہ اور نورِ ہدایت کیسے بنے گی کہ یہ تو خود ایک حجاب اکبر ہے۔

دانش حاضر حجاب اکبر است بت پرست و بت فروش و بت گر است

اس کے پاؤں مظاہر کائنات کے شکنجے میں قید ہیں۔ یہ عالم محسوسات کی حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتی۔ اس دانش نے اہل مغرب کو مظاہر پرست بنا ڈالا ہے۔ اس کی فطرت سوزِ عشق سے آزاد رہی اور جہانِ جستجو میں یہ ہمیشہ ناشاد رہی ہے۔

پابزندانِ مظاہر بستہ
از حدودِ حس بروں ناجستہ
فطرتش از سوزِ عشق آزاد ماند
در جہانِ جستجو ناشاد ماند

عشق عقل کی بیماریوں کا معالج ہے اور اس کے نشتر سے عقل کا جنوں اچھا ہو جاتا ہے۔ عشق سارے عالم کا مسجود ہے۔ عشق سومناتِ عقل کا فاتح ہے۔ دانش حاضر کی بوتل میں عشق کی شراب کہیں نہیں ہے۔ اس لیے تجھے اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

عشق افلاطون علتہائے عقل
بہ شود از نشترش سودائے عقل
جملہ عالم ساجد و مسجود عشق
سومناتِ عقل را محمود عشق
ایں مے دیرینہ در میناش نیست
شور یارب قسمت شبہاش نیست

Marfat.com
Marfat.com

اے مسلمان تو نے اپنی قدر و قیمت کو نہیں پہچانا۔ تو اپنی حیثیت سے بے خبر ہے اور تیری نگاہیں غیروں کی عظمت پر لگی ہوئی ہیں۔ تو نے بانسری کی طرح اپنے آپ کو خود سے تہی کر لیا ہے۔ اور اب غیر کی نواؤں پر دل ہارنے لگا ہے۔ تو مغربی حکماء کے دستر خوانوں سے ریزہ چینی کر رہا ہے۔ اور یورپ کے علوم و فنون سے بہت متاثر ہے۔ حالانکہ ان کے ہاں جو آنکھوں کو خیرہ کرنے والے روشنی، علم و فن ہے، وہ اس چراغ کی مرہون منت ہے جو اہل مغرب نے ہماری روشن کردہ آگ سے جلایا۔ از ہمیں آتش چراغش روشن است

ان کا چراغ جل اٹھا اور ہماری بزم اجڑ گئی۔ شرار دیر نے مسجد مسلم کو جلا ڈالا۔

قیمت شمشاد خود نشناختی
سرو دیگر را بلند انداختی
مثل نے خود راز خود کر دی تہی
برنوائے دیگراں دلہا نہی
اے گدائے ریزہ از خوان غیر
جنس خود را جوئی از دکان غیر
بزم مسلم از چراغ غیر سوخت
مسجد اواز شرار دیر سوخت

جب آہوئے حرم سوادِ کعبہ سے دور نکل گیا تو شکاری کے تیر نے اس کا پہلو چھید ڈالا۔ جب مسلمان دین سے دور ہو گئے اور انہوں نے علوم دین میں بیگانگی اختیار کر لی تو گمراہی و ضلالت کا شکار ہو گئے۔

از سوادِ کعبہ چوں آہور مید
ناوک صیاد پہلو لیش درید

اور پھر گلشن اسلام کے اس گل سرسبد کی پتیاں اس کی خوشبو کی طرح بکھرتی جل گئیں

شد پریشاں برگِ گل چوں بوئے خویش

اقبال اس بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم متوجہ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں

اے مسلمان! تو اپنے آپ سے دور ہو گیا ہے اپنی طرف لوٹ آ

اے زرم خود گردہ باز آسوئے خویش

تو حکمت قرآن کا امین ہے۔ اپنی گمشدہ وحدت کو پھر سے حاصل کر۔ قرآن حکیم تیرے لیے سرمایہ جمعیت ہے۔ یہ وہ حبل اللہ ہے جسے تھام کر تم اپنی وحدت گم گشتہ حاصل کر سکتے ہو۔

Marfat.com
Marfat.com

اے امینِ حکمتِ ام الکتاب
وحدت گم گشتہ خود بازیاب

ہم مسلمان حصار ملت کے دربان ومحافظ ہیں مگر شعار ملت کو ترک کر کے منصب مسلمانی سے گر چکے ہیں۔ ہم محض نام کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ اہل کفر ہماری مسلمانی پر خندہ زن ہیں۔

خندہ زن کفراست براسلام ما

ہمارے علماء عشق بتاں میں اپنا اسلام گنوا رہے ہیں اور ہمارے مشائخ صوفیاِ دین کے پردے میں دنیا کما رہے ہیں۔ صوفیانِ کرام فتویٰ فروش ہیں۔ واعظین کرام جاہ ومنصب پہ مرتے ہیں۔ ان کے دل لا الہ کے نقش سے عاری ہو کر صنم ہائے ہوس کا بت کدہ بن چکے ہیں۔

آنکھیں دیدۂ نرگس کی طرح بے نور ہو چکی ہیں اور سینے دل کی دولت سے خالی ہو چکے ہیں۔ نہ چشم بینا ہے۔ نہ دل پرنور، الغرض اعتبارِ ملت بیضا شکست

جب علماء ومشائخ ہی دین فروشی اور منصب پرستی پر اتر آئیں اس کے بعد ملت بیضا کو بربادی سے بچانے کی کیا تدبیر کارگر ہو سکتی ہے۔

چیست یاراں بعد ازیں تدبیر ما
رُخ سوئے میخانہ دار دپیر ما

اقبالؒ نے ایک موقع پر کہا تھا۔

''میرے آبا واجداد برہمن تھے۔ انہوں نے اپنی عمریں اسی سوچ میں گزار دیں کہ خدا کیا ہے۔ میں اپنی عمر اس سوچ میں گزار رہا ہوں کہ انسان کیا ہے۔ اسی فکر میں اقبال نے علوم قدیم وجدید کو کھنگالا۔ قرآن حکیم کے بحرِ ذخار میں غوطہ زنی کی اور انجام کار انسان کی حقیقت کو پالیا مگر اس کے اظہار کے لئے جامہ حرف تنگ پا کر اسے اشاروں اور کنایوں میں بیان کرنے کی کوشش کی۔

تو ہے فاتح عالم خوب وزشت
تجھے کیا بتاؤں تری سر نوشت
حقیقت پہ ہے جامہ حرف تنگ
حقیقت ہے آئینہ گفتار زنگ
فروزاں ہے سینے میں شمعِ نفس
مگر تابِ گفتار کہتی ہے بس

Marfat.com
Marfat.com

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغِ تجلی بسوزد پرم!

انسان محض اس گوشت پوست کے قالب کو نہیں کہا جا سکتا۔ انسان کی حقیقت وہ روح و جاں ہے جسے زندگی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ مرشد رومیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی حقیقت وہ نور جاں ہے جس کا مشاہدہ یا احساس ظاہری چشم و گوش سے نہیں کہا جا سکتا۔ یہ نورِ جاں ہمارے جسم سے پوشیدہ نہیں اور نہ ہی ہمارا جسم نور جاں سے مستور ہے مگر اس کے لئے دیدِ جاں چاہیے جس کا دستور نہیں ہے

سر من از نالہ من دور نیست
لیک چشم و گوش را آں نور نیست
تن ز جان و جاں ز تن مستور نیست
لیک کس را دید جاں دستور نیست

مولانا روم کے نزدیک آدمی فقط وہ نظر ہے جو جمالِ دوست کا نظارہ کر سکے۔ باقی محض پوست ہے۔

آدمی دیداست باقی پوست است
دید آں باشد کہ دید دوست است
جملہ تن را در گذار اندر بہ سر
در نظر رو، در نظر رو، در نظر

مرشد رومیؒ کی طرح مرید ہندیؒ بھی انسان کو عالم آب و خاک سے برتر و بالا شے سمجھتے ہیں۔

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جان پاک جسے
یہ رنگ و نم یہ لہو آب و ناں کی ہے بیشی
رگوں میں گردش خوں ہے اگر تو کیا حاصل
حیات سوز جگر کے سوا کچھ اور نہیں

زندگی اقبال کے نزدیک سر آدم اور ضمیر کن فکاں ہے اسے امروز و فردا کی حدود میں قید نہیں کیا جا سکتا۔ یہ جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں رہتی ہے۔

تو اے پیمانہ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں پیہم رواں ہر دم جواں ہے زندگی

بانگ درا کی ایک ابتدائی نظم ''انسان'' میں جبکہ انسان کی حقیقت پر نور و فکر کے ابتدائی مراحل تھے۔ اقبال

Marfat.com
Marfat.com

نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ

اس ذرہ کو رہتی ہے وسعت کی ہوس ہر دم
یہ ذرہ نہیں ، شاید سمٹا ہوا صحرا ہے

آگے چل کر اپنی مشہور نظم، ''شمع و شاعر'' میں انہوں نے زیادہ واضح انداز میں اس حقیقت کی ترجمانی فرمائی۔

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثال بحرِ بے پایاں بھی ہے
کیوں گرفتار طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے
ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

زندگانی کی حقیقت جان لینے کے ساتھ اقبال پر یہ حقیقت بھی منکشف ہوئی کہ زندگی یا جان اپنی قوتِ تسخیر سے آشکار ہوتی ہے۔ اس قوت تسخیر کو اقبال نے خودی کا نام دیا اور مسلمانوں کو اس قوت کی تربیت و استحکام کا سبق دیا کیونکہ وہ جان گئے تھے کہ غلامی سے نجات صرف خودی کی تربیت اور اظہار سے ممکن ہے۔

سنا ہے میں نے غلامی سے امتوں کی نجات
خودی کی پرورش و لذت نمود میں ہے

اسی لیے اقبال نے اپنا سارا زور کلام خودی کی بیداری اور تربیت و استحکام کی تشریح و توضیح میں صرف کر دیا اور مسلمانوں کو بتایا کہ

زندگانی ہے صدف قطرہ نیساں ہے خودی
وہ صدف کیا کہ جو قطرے کو گہر کر نہ سکے
ہو اگر خود نگر و خود گرو خود گیر خودی
یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

اقبال نورِ خودی کو اسلام کی روح قرار دیتے ہیں۔

روح اسلام کی ہے نورِ خودی نارِ خودی
زندگانی کے لئے نار خود نور و حضور

اور ساتھ ہی یہ بھی بتاتے ہیں کہ خودی کی معراج کمال فقر ہے۔ اسلام کا دوسرا نام ہی فقرِ غیور ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

لفظ اسلام سے یورپ کو اگر کد ہے تو خیر
دوسرا نام اسی دین کا ہے فقر غیور !

ایک اور مقام پر حیات خودی کی تعریف اس انداز میں فرماتے ہیں ۔

خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشا ہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار پر نیاں و حریر

استحکام خودی یا خودی کی بیداری بندہ حق کو شمشیر بے زنہار بنا دیتی ہے۔ اور وہ زندگی کی قوت تسخیر سے ہر شے پر غالب آجاتا ہے۔

جس بندۂ حق کی خودی ہوگئی بیدار
شمشیر کی مانند ہے برندہ و براق
اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی
ہو جس کے جوانوں کی خدائی صورت فولاد
خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اک انبار تو
پختہ ہوجائے تو ہے شمشیر بے زنہار تو

ساقی نامہ میں زندگی کے حقائق و معارف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

یہ موج نفس کیا ہے۔ تلوار ہے
خودی کیا ہے ؟ تلوار کی دھار ہے
خودی کیا ہے رازِ درون حیات
خودی کیا ہے ؟ بیداری کائنات
خودی جلوہ بدمست وخلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند
اندھیرے اجالے میں ہے تابناک
من و تو میں پیدا من و تو سے پاک
ازل اس کے پیچھے ابد سامنے

Marfat.com
Marfat.com

نہ حداس کے پیچھے نہ حد سامنے
سبک اس کے ہاتھوں میں سنگِ گراں
پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگ رواں
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر
خودی کا نشمین ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے
خودی شیر مولا جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید آسماں اسکا صید
یہ ہے مقصد گردشِ روز گار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

خودی کی زندگی کے بارے میں ارمغان حجاز میں فرماتے ہیں۔

خودی ہے زندہ تو ہے موت اک مقام حیات
کہ عشق موت سے کرتا ہے امتحانِ ثبات
خودی ہے زندہ تو دریا ہے بیکر انہ ترا
ترے فراق میں مضطر ہے موجِ نیل و فرات
خودی ہے مردہ تو مانند کاہ پیش نسیم
خودی ہے زندہ تو سلطان جملہ موجود ات

مرگ خودی کے عنوان سے ضرب کلیم میں فرماتے ہیں۔

خودی کی موت سے مغرب کا اندروں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام
خودی کی موت سے روحِ عرب ہے بے تب وتاب
بدن عراق و عجم کا ہے بے عروق و عظام
خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام

Marfat.com
Marfat.com

خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامہ احرام

''آگاہی'' کے عنوان سے یوں سخن طراز ہوتے ہیں۔

خودی کو جس نے فلک سے بلند تر دیکھا
وہی ہے مملکتِ صبح و شام سے آگاہ
وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم
وہی ہے دل کے حلال و حرام سے آگاہ

اقبال کہتے ہیں کہ خودی کا مقصود فقط خودی کامل ہی ہے۔

حیات و موت نہیں التفات کے لائق
فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود

ایک افرنگ زدہ نوجوان کو آئینہ دکھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خودی سے خالی انسان تلوار سے تہی نیام کی طرح ہے۔

ترا وجود سراپا تجلی افرنگ
کہ تو وہاں کے عمارت گروں کی ہے تعمیر
مگر یہ پیکر خاکی خودی سے خالی ہے
فقط نیام ہے تو زرنگار و بے شمشیر

اقبالؒ مسلمان کو نصیحت کرتے ہیں کہ سیم وزر کے عوض اپنی خودی سے ہاتھ دھونا نہایت گھاٹے کا سودا ہے

خودی کو نہ دے سیم وزر کے عوض
نہیں شعلہ دیتے شرر کے عوض

اے مسلمان! تیرا دل اندیشہ مرگ سے لرزتا ہے۔ اگر تو اپنے خودی کو مستحکم کرے تو موت کے بعد بھی نہیں مرے گا۔

دلت می لرزداز اندیشہ مرگ
زبیمش زرد مانند زریری
بخود بازآ، خودی را پختہ تر گیر
اگر گیری، پس از مردن نمیری

Marfat.com
Marfat.com

خودی کے آغاز کے بارے میں خضر کی زبانِ غیب سے یہ نکتہ بیان کرتے ہیں۔

زِ آغازِ خودی کس راخبر نیست
خودی درحلقہ ء شام و سحر نیست
ز خضر ایں نکتہ نادر شنیدم
کہ بحراز موجِ خود دیرینہ ترنیست

اقبال خودی کی تربیت کے لیے کسی مرد کامل حق آشنا کی صحبت لازم قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خدا سے خودی طلب کرتے رہو اور خودی سے خدا طلب۔

از ہمہ کس کنار گیر صحبت آشنا طلب
ہم زخدا خودی طلب ہم زخودی خدا طلب

اقبال تعمیر خودی کو تعمیر حرم کی طرح مقدس کام سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ خود کو بود و عدم، ہستی و نیستی کے چکر سے باہر نکال اور اس جہانِ کیف و کم سے بلند تر ہو کر اپنے پیکر میں خودی کی تعمیر کر اور ابراہیم کی طرح معمار حرم ہو جا۔

برون از ورطہ بود و عدم شو
فزوں تر زیں جہانِ کیف و کم شو
خودی تعمیر کن در پیکر خویش
چو ابراہیم معمارِ حرم شو

بال جبریل میں بحر خودی کی بے کرانیوں کا احوال اسطرح بیان کرتے ہیں۔

خودی وہ بحر ہے جس کا کوئی کنارا نہیں
تو آبجو اسے سمجھا اگر تو چارہ نہیں
خودی میں ڈوبتے ہیں پھر ابھر بھی آتے ہیں
مگر یہ حوصلہ مردِ ہیچ کارہ نہیں

جہاں استحکام خودی سے انسان عظمتِ آشنا ہوتا ہے وہاں ضعفِ خودی انسان کو حقیر و ذلیل بنا دیتی ہے۔

رائی زور خودی سے پربت
پربت زور خودی سے رائی

پیام مشرق میں فرماتے ہیں اگر تم گوہر کی طرح دریا کے دل میں اپنی خودی مستحکم کر لو تو تمہیں سیل بلا انگیز کا کوئی ڈر نہ رہے گا۔

Marfat.com
Marfat.com

گر بخود محکم شود سیلِ بلا انگیز چیست
مثلِ گوہر دردلِ دریا نشستن می تواں
آسماں میں راہ کرتی ہے خودی
صید مہر و ماہ کرتی ہے خودی

خودی علم سے محکم ہو تو غیرت جبریل ہے اور اگر عشق سے محکم ہو تو صور اسرافیل بن جاتی ہے۔ زندگی کی آبرو خودی کے دم سے قائم ہوتی ہے۔ حیاتِ خودی شہنشاہی ہے اور مرگ خودی روسیاہی ہے بال جبریل کی چند رباعیوں میں اقبال نے خودی کی عظمتوں کو کھول کر بیان کیا ہے اور مسلمانوں کو خودی کے زور سے کائنات پر چھا جانے کی دعوت دی ہے۔

خودی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
مقامِ رنگ و بو کا راز پا جا!
برنگ بحر ساحل آشنا رہ
کفِ ساحل سے دامن کھینچتا جا

اقبال خودی کی عریانی کو نہایت بندۂ مومن قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اب جس کی خودی سب سے پہلے آشکارا ہوگی وہی زمانہ آخر کا امام اور مہدی ہوگا۔

کھلے جاتے ہیں اسرار جہانی
گیا دور حدیث لن ترانی
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار
وہی مہدی وہی آخر زمانی

مسلمانوں کو حصولِ فقر و شاہی کا گر بتاتے ہوئے کہتے ہیں ؎

حکیمی نامسلمانی خودی کی
علیمی رمز پنہانی خودی کی
تجھے گر فقر و شاہی کا جنا دوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی

جاوید اقبال سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

خودی کے ساز میں ہے عمر جاوداں کا سراغ
خودی کے سوز سے روشن ہیں امتوں کے چراغ

اقبال بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے ہیں

اے رب الناس انسانی خودی کو نئی تب وتاب عطا کر کے دنیا کو ایک نئے انقلاب سے آشنا کر دے

خودی را سوز تابے دیگرے وہ
جہاں را انقلابے دیگرے وہ

مشہور قول ہے اور کچھ لوگ اسے حدیث نبوی بھی قرار دیتے ہیں کہ

من عرف نفسه فقد عرف ربه جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا۔ اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔

اقبال کا مسلکِ فکر بھی یہی ہے کہ عرفانِ الٰہی کے لئے عرفانِ خویش شرطِ اولیں ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر خدا کو بے نقاب دیکھنا چاہتے ہو تو خودی کو فاش تر دیکھنا سیکھو

اگر خدا ہی خدا را فاش بینی
خودی را فاش تر دیدن بیاموز

اگر قرب الٰہی کے خواہشمند ہو تو اپنی خودی سے قریب تر ہو جاؤ

خدا خواہی بخود نزدیک تر شو

اقبال کی نظر میں دین اپنی خودی۔ کے اسرار کو پا لینے کا نام ہے اور زندگی بغیر دیدارِ خویش موت کے مترادف ہے۔

چیست دیں، دریا فتن اسرارِ خویش
زندگی مرگ است بے دیدارِ خویش

اس لیے کہ خدا تک رسائی خودی تک رسائی کے بغیر ممکن نہیں۔ انسان اپنی خودی کا عرفان حاصل کر کے اور تکمیل خودی کے ارفع واعلیٰ مقام پر پہنچ کر ہی ذاتِ حق کا دیدار کر سکتا ہے۔ اور یہی حیات انسانی کا مقصود و منتہیٰ ہے۔

برمقامِ خود رسیدن زندگیست
ذات را بے پردہ دیدن زندگی ست

Marfat.com
Marfat.com

باب دوم

مراحلِ تربیت خودی

خودی کی پرورش وتربیت پہ ہے موقوف
کہ مشت خاک میں پیدا ہو آتش ہمہ سوز
یہی ہے سر کلیمی ہر اک زمانے میں
ہوائے دشت وشعیب وشبانی ٔ شب وروز

Marfat.com
Marfat.com

مراحلِ تربیت خودی

اطاعت: تربیت خودی کے مراحل میں سب سے پہلا مرحلہ اطاعت ہے۔ اطاعت کے معنی فرمانبرداری اور غلامی کے ہیں۔ اطاعت سے مراد اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔ مطاع ہونے کے لحاظ سے اللہ اور رسول میں فرق نہیں ہے کیونکہ رسول کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے۔

مَن یُطِعِ الرَّ سُولَ فَقَد اطاعَ اللّٰہ. (۴- ۷۹)

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بلاشبہ اللہ کی اطاعت کی''

تکمیل ایمان کی اولین شرط اور استحکامِ خودی کا پہلا مرحلہ اللہ اور رسول کی اطاعت ہے۔

واطیعوا اللّٰہ والر سول لعلکم تر حمون. (۳- ۱۳۱)

''اطاعت کرو اللہ اور رسول کی تا کہ تم پر رحمت نازل ہو۔''

اطاعت کے ساتھ ایک اور اصطلاح اتباع کی بھی مروج ہے۔ جس کے معنی پیروی کے ہیں۔ اتباع و اطاعت میں فرق یہ ہے کہ اتباع کے لیے متبوع کا ظاہری نمونہ اور اسوہ سامنے ہونا ضروری ہے۔ جبکہ اطاعت مطلق غلامی اور فرمانبرداری کا نام ہے۔ اسی لیے اللہ کی طرف اطاعت ہوتی ہے۔ اتباع نہیں۔ اتباع رسول اللہ ﷺ کی معرفت ہوتی ہے۔ اقبال کے نزدیک خودی عشق سے محکم ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ تربیت خودی کے اس مرحلہ میں محرک قوتِ عمل عشق ہی ہے۔ اطاعت کے لئے رضا و رغبت شرطِ لازم ہے اور یہ مطاع کے ساتھ عشق و محبت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ بغیر محبت اتباع محض ڈھونگ اور نقالی اور ریا کاری ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اتباعِ رسول کو عشقِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

قُل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم للہ

(اے حبیبؐ) آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تم سے محبت کرے گا۔

ضرورتِ عشق کے بارے میں اقبال کہتے ہیں کہ

''اگر علماء و فقہا اور عوام کی تمام تر توجہ صرف اوامر و نواہی کی طرف مبذول ہو جائے تو دین رفتہ رفتہ ظواہر و شعائر میں محصور ہو کر ایک کالبدِ بے روح بن جاتا ہے۔ اسی حالت میں روحِ دین کی حفاظت کے لئے لازمی ہے کہ لوگوں کو ظاہر سے باطن کی طرف لایا جائے۔

ظواہر پر منحصر دین اور صرف معاملات سلجھانے والی فقہ، رفتہ رفتہ اس جذبے سے عاری ہو جاتے ہیں۔ جسے صوفیہ نے عشق کا نام دیا ہے اور عبادت کا مقصود صرف حصولِ ثواب رہ جاتا ہے جس سے آخرت میں جنت کی نعمتیں حاصل ہوں اور انسان دوزخ کے عذاب سے بچ جائے۔ اس طرح نیکی اور بدی کے اندر جو ذاتی اور نفسی

Marfat.com
Marfat.com

نقد سزا و جزا مضمر ہے، اس کی حقیقت سے دیندار نا آشنا ہو جاتے ہیں۔

حضرت رابعہ بصریؒ کو دیکھا گیا کہ وہ بازار سے اس حالت میں گزریں کہ ان کے ایک ہاتھ میں، ایک برتن میں پانی تھا اور دوسرے ہاتھ میں ایک برتن میں دہکتے ہوئے انگارے۔ لوگوں نے پوچھا کہاں جارہی ہیں تو فرمایا اس پانی سے جہنم کی آگ بجھانے اور ان انگاروں سے جنت کو آگ لگانے جارہی ہوں۔ تاکہ لوگ جسمانی عذاب وثواب کی امید و بیم سے نجات حاصل کریں اور اعمال کا دارومدار عشق الٰہی پر رکھیں۔ حضرت رابعہؒ کی یہ دعا ان کے مسلک عشق کی ترجمان ہے۔ خدایا اگر میں عذاب دوزخ کے خوف سے تیری عبادت کرتی ہوں تو مجھے دوزخ میں ڈال دے اور اگر میں جنت کی امید میں عبادت کرتی ہوں تو مجھے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس سے محروم کر دے لیکن بار خدایا۔ اگر میں صرف تیری محبت کی خاطر عبادت کرتی ہوں تو مجھے اپنے جمال ازلی سے محروم نہ کر۔ (تذکرہ اولیا ص ۴۶)

مرزا غالب نے اسی بات کو اپنے انداز میں پیش کیا ہے۔

طاعت میں تا رہے نہ مے وانگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دے کوئی لیکر بہشت کو

اتباع واطاعت کے باب میں اقبال کا یہی مسلک ہے اور وہ برملا کہتے ہیں کہ

جس کا عمل ہے بے غرض اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر، بادہ و جام سے گزر

ایسی اطاعت جو محض حصول ثواب کے لیے کی جائے اس کا اجر ضرور ملے گا مگر اس اتباع واطاعت کا عالم ہی کچھ اور ہے جس کی بنیاد صرف اور صرف محبت پر ہو۔ اقبال نے محبت کو اطاعت کی بنیاد قرار دیا، بلکہ وہ تو یہاں تک کہہ گئے کہ دین محبوب کی چاہت میں سرتاپا جل جانے کا نام ہے۔ اس کی انتہا عشق اور ابتدا ادب ہے۔

دیں سراپا سوختن اندر طلب
انتہا یش عشق آغاز ش ادب

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی پہچان شدید محبت (عشق) قرار دی ہے۔

والذین امنوا اشدُ حُبًا للّٰہ

''اور ایمان والوں کی پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں شدید ہیں''

یعنی اہل ایمان کے دل میں اللہ کی محبت باقی تمام محبتوں پر غالب ہوتی ہے۔ اللہ چونکہ وراء الحواس، وراء العقل بلکہ وراء الوراء ذات ہے، اس لیے اس سے محبت کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ کے حبیب پاک رسول محمد ﷺ سے محبت کی جائے۔

Marfat.com
Marfat.com

حضور سرور عالم ﷺ کی محبت ایمان کا معیار ہے۔ جس قدر آپؐ سے محبت شدید ہوگی اسی قدر ایمان کامل ہوگا اور خودی مستحکم ہوگی۔ قاضی عیاضؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰؐ'' میں لکھتے ہیں کہ امتِ محمدیہ کے ہر مکلف فرد پر اپنے پیغمبر ﷺ کی محبت لازم وواجب ہے۔ اس حقیقت کے قرآنی ثبوت میں قاضی عیاضؒ یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں۔

قُل ان کان اٰباء کم و ابنا ؤ کم و اخوانکم و از واجکم.....الخ

''(اے محبوب) آپ فرمادیجئے: (اے لوگو) اگر تمہارے باپ تمہارے بیٹے تمہارے بھائی تمہاری بیویاں تمہارے کنبے تمہاری کمائی کے مال اور وہ سوداگری جس کے نقصان کا تمہیں اندیشہ ہے اور تمہاری پسند کے مکاں، ان میں سے کوئی چیز بھی اگر تم کو اللہ، اللہ کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا عذاب اتارے اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا۔''

اس آیت کریمہ کی رو سے اللہ اور رسول کی محبت نیز جہاد فی سبیل اللہ کو قلبِ مومن میں وہ مقام حاصلِ ہونا لازم ہے کہ دنیا کی کسی دوسری شے یا رشتہ وتعلق کی محبت، اس محبت پر غالب نہ آسکے اور جسے کوئی شے اللہ اور اللہ کے رسول سے زیادہ محبوب ہے وہ بارگاہِ حمدیت سے مردود ہے اسے عذاب کا منتظر رہنا چاہیے حضور پرنور سرور عالم ﷺ کی مشہور حدیث پاک ہے۔

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، جب تک میں اس کے نزدیک اسکی اولاد، اس، کے والدین اور دنیا بھر کے لوگوں سے محبوب تر نہ ہوجاؤں۔''

بندہ مومن جب یہ جانتا ہے کہ رسول خدا ﷺ کی طرف سے ہر امر اور ہر نہی یقیناً اس کے دین ودنیا اور معاش ومعاد کی بھلائی پر مبنی ہے اور اس کا یہ علم یقین کامل میں بدل جاتا ہے کہ واقعی رسول اللہ ﷺ اس سے سب سے بڑھ کر مہرباں اور سب سے زیادہ لطف وکرم فرمانے والے ہیں تو اس کے دل ودماغ یہ فیصلہ دیتے ہیں کہ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ وتسلیم ہی کے حکم کو دوسرے ہر کسی کے حکم پر ترجیح دینا چاہیے۔ یہ ہے بنیاد تعلق بالرسولؐ کی اور یہ ہے ابتدا محبت رسولؐ کی۔ یہ ایمان کا ابتدائی درجہ ہے۔ کمالِ ایمان یہ ہے کہ حضور ﷺ کی محبت بندہ مومن کے رگ وپے میں سما جائے اور دنیا کی تمام محبتوں پر غالب آجائے۔ محبت کے ذریعے اطاعت آسان ہوجاتی ہے۔ اگر شریعت کے ساتھ بندۂ مومن کا رابطہ عشق رسولؐ کے ذریعے استوار ہو تو شریعت کے قانون اور ضابطے اس کے لیے فرمانِ حبیب بن جاتے ہیں۔ شریعت تو انسان کے ظاہر سے معاملہ کرتی ہے مگر فرمانِ حبیب کی فرمانروائی اس کے ظاہر وباطن دونوں پر ہوتی ہے۔ محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ وتسلیم کے ساتھ والہانہ وابستگی اور اطاعتِ رسول مقبولؐ انسانی شخصیت پر عظیم اثرات مرتب کرتی ہے۔ حضور ﷺ کی غلامی میں آجانے کے بعد کائنات کی ہر شے بندہ مومن کے لیے مسخر ہوجاتی ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

عجب کیا گر مہ پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را

اطاعت کوشی انسان کو عالم جبر کی مجبوری سے نکال کر اختیار کی قوتوں سے ہمکنار کرتی ہے۔ اور بغیر اطاعت اور پابندیٔ آئین کے انسان مہ و پروین کو تسخیر نہیں کر سکتا۔

دراطاعت کوش اے غفلت شعار
می شود از جبر پیدا اختیار!
ہر کہ تسخیر مہ و پرویں کند
خویش را زنجیری آئیں کند

اقبال تو اطاعت کو عشق کا مترادف قرار دیتے ہیں۔ اور اسے منجملۂ اسماءِ عشق شمار کرتے ہیں۔

کیفیت ہا خیز داز صہبائے عشق
ہست ہم تقلید از اسمائے عشق

اسرار خودی میں اقبال نے اطاعتِ رسول کے لیے تقلیدِ یار کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ کے ایک مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ بایزید بسطامی تقلیدِ یار میں استقدر کامل اور یکتا تھے کہ انہوں نے خربوزہ کھانے سے محض اس لیے اجتناب کیا کہ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پھل کس طرح کھایا۔

کامل بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

اقبال مسلمان سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں کہ اگر تجھے عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ ہے تو اپنی خودی کو یار کی تقلید سے استقدر محکم کر کہ مولا صفات بن جا۔

عاشقی ؟ محکم شواز تقلیدِ یار
تا کمند تو شود یزداں شکار

Marfat.com
Marfat.com

ضبط نفس

تربیت خودی کا مرحلہ دوم ضبط نفس ہے۔ نفس امارہ کے سرکش، بے لگام گھوڑے کو لگام ڈالنے اور اپنے آپ کو نفسانی خواہشات سے روکنے کا عمل ضبط نفس کہلاتا ہے۔ اس عظیم الشان کام کی طرف ہمیں یہ حکم خداوندی متوجہ کرتا ہے۔

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جہاد اکبر قرار دیا ہے۔ ایک غزوہ سے واپسی پر آپ نے صحابہ کرامؓ سے فرمایا۔

''رجعنامن الجھاد الاصغر الی الجھاد الاکبر''

''ہم جہادِ اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ رہے ہیں''

فرمان نبویؐ کے مطابق باطل کے خلاف بالسیف جہاد بالنفس کے مقابلہ میں جہاد اصغر ہے۔ نفس امارہ کے خلاف جہاد، جہاد اکبر ہے۔ مولانا روم نے ہر دو جہاد کی تعریف اسطرح فرمائی۔

ایں جہادِ اکبر وآں اصغر است　　　　ہر دو کارِ رستم ست وحیدر است

(صاحب فقر، جہادِ اکبر اور جہادِ اصغر ہر دو کا مردِ میدان ہوتا ہے)

امام بوصیریؒ قصیدہ بردہ شریف، کے ایک شعر میں نفس کی تعریف اس طرح فرماتے ہیں۔

والنَّفسُ کَالطِّفلِ اِن تُھمِلہُ شَبَّ عَلٰی

حُبِّ الرَّضَاعِ وَاِن تَفطِمہُ یَنفَطِمِ

(حسن الجراہ فی شرح قصیدہ البردہ، مکتبہ نبویہ لاہورص ۴۲)

''نفس شیر خوار بچے کی مانند ہے۔ اگر اس کو دودھ پینے پر چھوڑ دیا جائے تو وہ دودھ پینے کی خواہش میں جوان ہو جائے گا اور اگر تو اس کا دودھ چھڑا دے گا تو چھوڑ دے گا۔''

حضور سرور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانِ گرامی ہے۔

اِتَّقو اِنَّ الھَوٰی حَیضُ الرِّجَال

''تقوی اختیار کرو کہ نفسانی خواہشات مردوں کا حیض ہے۔''

جس طرح عورت کا حیض اسے نماز سے محروم کر دیتا ہے، اسی طرح خواہشات نفسانی کا غلبہ مرد کو نیکی سے روک دیتا ہے۔

فرمان نبویؐ ہے کہ ''شیطان تمہارے جسم میں خون کی طرح گردش کرتا ہے۔ اس کے راستوں کو بھوک

Marfat.com
Marfat.com

سے بند کرو۔ خواہشات اور کھانا پینا شیطان کے لیے وسیلہ ظفر ہیں اور بھوک پیاس اس دشمن خدا کے لئے قہر ہے۔''

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ۔

موتوا قبل ان تموتوا

''مرنے سے پہلے مر جاؤ''

اس کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اپنے نفس امارہ کو مار کر اپنے آپ پر غالب آجاؤ۔ اس سے پہلے کہ تمہیں موت آجائے۔

مولانا روم مثنوی میں بیان فرماتے ہیں کہ۔

''اللہ تعالیٰ'' نے ملائک کو پیدا فرمایا اور ان میں عقل رکھی۔ چوپایوں کو پیدا فرمایا، ان میں شہوت رکھی اور نبی آدم کو پیدا فرمایا اور ان میں عقل و شہوت دونوں رکھ دیں تو جس کی عقل شہوت پر غالب آگئی وہ ملائک سے افضل ہے اور جس کی شہوت عقل پر غالب آگئی وہ چوپایوں سے بدتر ہے۔

ضبط نفس وہ عظیم الشان کام ہے جس کے ذریعے بندہ حق حضرت انسان اپنے آپ کو صحیح معنوں میں شرف انسانیت کا حقدار بناتا ہے اور ملائک سے افضل ہو جاتا ہے۔ عارف سرمد شہید فرماتے ہیں کہ میں اپنے نفس امارہ سے ہر دم جنگ آزما ہوں اور خود اپنے بحرِ وجود کا نہنگ ہوں۔ میری نظر میں حرص و ہوا کی غلامی، روباہی ہے۔ میں اپنے بیشہ فکر میں شیر کی طرح جیتا ہوں۔

بانفس ستمگار بجنگم ہر دم
دربحر وجود خود نہنگم ہر دم
روباہ بود حرص وہوا در نظرم
دربیشۂ اندیشہ، پلنگم ہر دم

اسی مفہوم کو اقبال نے اپنے منفرد انداز میں بیان کیا ہے۔

چیست روباہی تلاشِ ساز و برگ
شیر مولا جوید آزادی و مرگ
جز بقرآن ضیغمی روباہی است
فقر قرآں اصلِ شاہنشاہی است

نفسانی خواہشات درحقیقت مختلف انسانی جبلتوں کے تقاضوں کے نام ہیں۔ ان جبلی تقاضوں کا انکار جہالت ہے لیکن اگر ان جبلی تقاضوں کو بلا روک ٹوک پورا کیا جائے اور نفس کو من مانی کرنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا

Marfat.com
Marfat.com

جائے تو انسان نفسانی خواہشات کا غلام ہو کر رہ جاتا ہے۔ ھویٰ نفس اس کا خدا بن جاتے ہیں اور وہ روگردانی اِلہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

اگر ان جبلی تقاضوں کو ایک ضابطہ کا پابند کر دیا جائے تو ان کی تمجید (sublimation) ہو جاتی ہے۔ پھر یہ نفسانی قوتیں تخریب کی بجائے تعمیر پر صرف ہونے لگتی ہیں۔ اور ضبطِ نفس کی بدولت انسان پہاڑ کی طرح مضبوط کردار کا حامل بن جاتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں سمندر میں تنکے کی طرح کب تک زندگی گزارو گے۔ ضبط نفس کے ذریعے اپنے آپ کو پہاڑ کی طرح مضبوط بنالو تا کہ سمندر کی موجیں تمہارے ساتھ سر پٹخ پٹخ کر رہ جائیں۔

زیستن تاکے بہ بحر اندر چو خس
سخت شو چوں کوہ از ضبط نفس

مرشد رومیؒ فرماتے ہیں کہ ہوا و ہوس سے سر پھیر نا ہی سروری ہے۔ نفسانی خواہشات ترک کرنے سے انسان میں پیغمبرانہ قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ غصہ، شہوت اور حرص و آز کو ترک کر دینا ہی مردانگی اور رگ پیغمبری ہے۔

سرز ہوا تافتن از سروریست
ترک ہوا قوتِ پیغمبری ست
ترکِ خشم و شہوت و حرص آوری
ہست مردی ورگِ پیغمبری

ایک اور مقام پر مولانا فرماتے ہیں اگر تو چاہے کہ تیرے مشام جاں بوئے دوست سے تر و تازہ ہوں اور تجھ میں یار کی خوبو پیدا ہو تو ہوا و ہوس کو ترک کر دے

رَو ہوا بگذار تا بوی خدا
درمشامت میر سدائے کدخدا
رَو ہوا بگذار تا خوبت شود
واں مشامِ عنبریں بویت شود

''حضور ﷺ کا مشہور فرمان ہے'' پہلوان وہ نہی جو کشتی میں کسی دوسرے پہلوان کو پچھاڑ دے پہلوان تو وہ ہے کہ جب اسے غصہ آئے تو وہ اپنے غیظ و غضب پر قابو پالے یعنی اپنے نفس کو اپنے قابو میں رکھے''

اقبال نے کہا

من غلام آں کہ بر خود قاہر است

اسرار خودی بیان کرتے ہوئے ضبط نفس کے باب میں اقبال فرماتے ہیں کہ تیرا نفس اونٹ کی طرح خود

Marfat.com
Marfat.com

پرور، خود پرست اور خود سر ہے تو مرد بن اور اس کی زمام اپنے ہاتھ میں لے تا کہ نفس کا اونٹ تجھ پر سوار نہ ہو جائے بلکہ تو اس پر سوار ہو۔

نفس تو مثل شتر خود پوراست
خود پرست و خود سوار و خود سراست
مرد شو آور زمام او بکف
تا شوی گوہر اگر باشی خذف

اگر تو ایک بے قیمت پتھر ہے تو ضبطِ نفس کے ذریعے گوہر بن سکتا ہے۔ جو شخص اپنے آپ پر قاہرانہ قابو نہیں رکھتا اور بر خود فرمانروا نہیں ہوتا، اسے دوسروں کا فرماں پذیر رہنا پڑتا ہے۔ دنیا میں فرمانروائی اور سرافرازی صرف اسی کو میسر آتی ہے جو اپنے نفس پر فرمانروا ہوتا ہے۔

ہر کہ بر خود نیست فرمانش روا
می شود فرماں پذیر از دیگراں

اسلام کے بنیادی ارکان پانچ ہیں۔ اللہ پر ایمان لانا اور کلمۂ توحید کو زبان سے ادا کرنا اور دل سے اس کی تصدیق کرنا، صلوۃ، روزہ، زکوۃ، حج، کلمہ توحید کے اسرار و معارف اور اس کے ثمرات و نتائج بیان ہو چکے اب آیئے باقی ارکانِ اسلام کی طرف، ان کے اسرار و حکم خواجہ فرید الدین عطار اجمالاً بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

روزہ، حفظ دل است از خطرات
پس بود بامشاہدہ افطار
حج چہ باشد زخود سفر کردن
بہ کجا باجانب ہدایت کار

اقبال اسی اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور ارکان دین اور احکام عبادات کی حکمتیں واضح کرتے ہیں۔

انسان کی تخلیق ماوطین (پانی اور مٹی) سے ہوئی ہے۔ آب و گل ہمارے بدن کے اجزائے ترکیبی ہیں اور یہی ہمارے جذبہ تن پروری کا سبب ہیں۔ انسان میں سفلی جذبات کا انحصار آب و گل پر ہے۔ انسانی بدن کے اجزائے ترکیبی آب و گل کو وقت تخلیق خوف و محبت سے آمیختہ کیا گیا۔

انسان کو مختلف قسم کے خوف، خوف دنیا، خوف عقبیٰ، خوفِ جان، آلامِ زمین آسماں کا خوف، لاحق ہوتے ہیں۔ اسی طرح اسے حبِ مال و دولت، حب وطن، حب خویش و اقربا اور بیوی بچوں کی محبت لاحق ہوتی ہے۔ لیکن اگر انسان کے ہاتھ میں لا الہ کا عصا ہو تو وہ خوف و محبت کے ہر بت کو توڑ سکتا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

جو شخص از روئے جاں لا الہ کہتا ہے اور لا الہ پر اس کا یقین کامل ہوتا ہے حق اس کے بدن میں جان کی طرح موجود ہوتا ہے۔ اسکی گردن باطل کے سامنے کبھی نہیں جھکتی۔ خوف و ہراس کبھی اس کے دل میں راہ نہیں پا سکتے اور وہ کبھی غیر اللہ سے مرعوب نہیں ہوتا۔ جو لا الہ کی سلطنت میں آباد ہو جاتا ہے وہ پھر تمام علائق دنیا کی پابندیوں سے آزاد ہوتا ہے۔ وہ ماسوی اللہ سے قطع نظر کر کے رضائے مولا میں منہمک ہو جاتا ہے اور اس کے حکم پر اپنے جگر گوشہ کے گلے پر بھی چھری پھیرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

ہر کہ در اقلیم لا آباد شد
فارغ از بند زن واولاد شد
می کند از ماسویٰ قطع نظر
می نہد ساطور بر حلق پسر

وہ مردِ حق ضبطِ نفس کے ذریعے فقر کے بلند و ارفع مقام پر فائز ہوتا ہے۔ ایسا جواں مرد تنہا پورے لشکر پر بھاری ہوتا ہے۔ اس کی نگاہ میں متاع جاں ہوا سے زیادہ ارزاں ہو جاتی ہے۔

با یکی مثل ہجوم لشکر است
جان بچشم او زباد ارزاں تراست

اقبال کہتے ہیں کہ عباداتِ اسلامی ضبطِ نفس کا ذریعہ ہیں۔ نماز جو کہ لا الہ کے صدف میں مثالِ گوہر ہے قلبِ مومن کے لیے حج اصغر کا درجہ رکھتی ہے۔ نماز کی مثال دستِ مسلم میں اس خنجر کی سی ہے جو برائیوں کی جڑ کاٹنے والا ہے۔

لا الہ باشد صدف گوہر نماز
قلب مومن را حجِ اصغر نماز
در کف مسلم مثالِ خنجر است
قاتلِ فحشا و بغی و منکر است

اِن الصّلٰوۃ تنھیٰ عن الفحشاء و المنکر ۔ (القران)

''بے شک نماز برائی اور فحاشی سے روکتی ہے''

روزہ کے ذریعے بندہ حق بھوک پیاس کے لشکروں کو شکست دیتا ہے اور تن پروری کے خیبر کو فتح کر لیتا ہے۔

روزہ بر جوع و عطش شبخوں زند
خیبر تن پروری را بشکند

Marfat.com
Marfat.com

حج بندگانِ خدا کے لیے فطرت افروزی کا سبب ہے۔ یہ عبادت اور ہجرت آموز ہے۔ مومنوں کو اطاعت کوش بنانے کے ساتھ ساتھ اتحاد و یگانگت کا سبق دیتا ہے۔ اور کتاب ملت بیضا کے اوراق کی شیرازی بندی کرتا ہے۔

مومناں را فطرت افروز است حج
ہجرت آموز و وطن سوز است حج
طاعتے سرمایہ جمعیتے
ربطِ اوراقِ کتابِ ملتے

زکوٰۃ بندگانِ خدا کے دلوں سے مال کی محبت کو ختم کر دیتی ہے اور انہیں عدل و مساوات سکھاتی ہے۔ دلوں کو

''لن تنالوا البر حتیٰ تنفقوا''۔ (القرآن)

کے فرمان سے مضبوط بناتی ہے۔ دولت میں اضافہ کرتی ہے اور دولت کی محبت کم کرتی ہے۔

حبِ دولت را فنا سازد زکوٰۃ
ہم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل ز حتیٰ تنفقوا محکم کند
زر فزاید الفتِ زر کم کند!

یہ تمام عبادات، انسانی خودی کے استحکام کا ذریعہ ہیں۔ ان کے ذریعہ بندہ مومن مراحل تربیت خودی طے کر کے منزلِ فقر تک پہنچتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ اگر تو اسلام میں محکم ہے تو تری خودی بھی پختہ ہے۔ اس قوی مطلق کے ذکر سے قوت و طاقت حاصل کرتا کہ اپنے اوپر قاہرانہ قابو پا سکے

ایں ہمہ اسباب استحکام تست
پختہ و محکم اگر اسلام تست
اہل قوت شوز وردِ یا قوی
تا سوار اُشتر خاکی شوی

قابو کر لے بجلیاں آگ ہوا اور بھاپ
میں جانوں جب تو کرے قابو اپنا آپ

(دل محمد)

یہ بات ذہن نشین رہے کہ ضبطِ نفس اور رہبانیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ رہبانیت تمام جبلی تقاضوں کے مکمل انکار کا نام ہے۔ اس میں ترکِ دنیا کر کے جنگلوں، بیابانوں میں غار و کوہ کی خلوت اختیار کی جاتی

Marfat.com
Marfat.com

ہے۔اسلام میں ترک دنیا یعنی رہبانیت کا تصور نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

وَ رَهبانية ن ابتدعوا ها ما كتبنا ها (الايه)

(اوررہبانیت انہوں نے خود گھڑلی ہم نے اسے ان پر فرض نہیں کیا تھا)

حضور ﷺ کا فرمان ہے۔

لار هبا نية فى الاسلام

(اسلام میں رہبانیت نہیں ہے)

اسلام اپنے ماننے والوں کو دین و دنیا میں اعتدال کی راہ دکھاتا ہے۔حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

لاتنس نصيبک من الدنيا

(دنیا میں اپنا حصہ فراموش نہ کر)

شرح عقاید میں ہے۔

ترک الاسباب جهالة والا اعتماد عليها شرک

(اسباب دنیا کا ترک جہالت ہے اوران پر اعتماد شرک ہے)

یہی حقیقی توکل ہے۔اقبال نے دین و دنیا میں اعتدال کی اسلامی فکر کو بیان کرتے ہوئے حضور سرور عالم ﷺ کی شان میں کہا ہے۔

ازِ کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد

(آپ نے دین کی کنجی سے دنیا کا در کھولا)

ضبط نفس سے مراد دراصل اصلاح نفس ہے۔ضبط نفس دنیا میں رہ کر اسکی خواہش سے دل کو پاک رکھنے کا نام ہے۔تطہیر و اصلاح نفس اس وقت تک ممکن نہیں جب تک انسان ان تمام خواہشات اور افعال سے مجتنب نہیں ہو جاتا جو اس کی فطرت سلیم کے خلاف ہیں اور ہر طرف سے منہ موڑ کر صرف محبوب حقیقی کا ہی نہیں ہو رہتا

وتبتل اليه تبتيلا (المزمل ۸)

''اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو''

ترک عالم اختیارِ کوئے دوست

۔ضبط نفس تزکیہ نفس کا ذریعہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے تزکیہ نفس کو انسانی فلاح کا معیار قرار دیا ہے

۔ قدا فلح من زكها وقد خاب من دسها (۹۱-۸)

بیشک وہ شخص (اپنے مقصد حیات میں) کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کر لیا اور وہ شخص ناکام رہا

Marfat.com
Marfat.com

جس نے اپنے نفس کو آلودہ کرلیا۔ تزکیہ کیا ہے۔ کشتِ دل سے خواہشات کی خودرو جھاڑیوں کو اکھاڑ پھینکنا تا کہ اس میں محبت الٰہیہ کا پودا پوری طرح پنپ سکے اور نشو ونما کی تمام تر قوتیں اسی کی آبیاری میں صرف ہوں۔ اسلام نے ترکِ دنیا کی بجائے کمالِ ترک کا سبق دیا ہے۔ اور کمالِ ترک ہی حقیقی تزکیہ نفس ہے جو کمال ضبطِ نفس سے حاصل ہوتا ہے۔ اور بندہ مومن کو وہ قوتیں عطا کرتا ہے کہ وہ ہر خاکی ونوری کو مسخر کر لیتا ہے۔

کمالِ ترک نہیں آب و گل سے مہجوری
کمالِ ترک ہے تسخیرِ خاکی و نوری

اقبال نے رہبانیت کو کافر کا فقر قرار دیا ہے۔ جبکہ بندۂ مومن کمالِ ترک سے جس مقام فقر پر فائز ہوتا ہے۔ وہ غلبہ بحر و بر کا نام ہے۔

فقرِ کافر خلوتِ دشت و دراست
فقرِ مومن غلبہ بحر و براست

مومن کا دل اللہ کا گھر ہوتا ہے۔

قلب المومن عرش اللہ تعالیٰ
دل گزر گاہِ جلیل اکبر است

اس اللہ کے گھر کو لات وعزائے ہوس سے پاک کرنا ہی کمال ترک اور معراج ضبط نفس ہے اور یہ معرکہ جس میں بندہ مومن حرص وہوس کے بتوں کو پاش پاش کر دیتا ہے۔ جہاد بالنفس کے ذریعے سر ہوتا ہے۔ اللہ کے گھر (قلب) کو لات وعزائے ہوس کی نجاست سے پاک کرنے کے لیے اس جہاد کو آقائے دو جہاں حضور سید عالم ﷺ نے افضل جہاد اور جہادِ اکبر قرار دیا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

فقر و جہاد لازم و ملزوم ہیں

اقبال کہتے ہیں کہ کچھ وقت کے لیے اپنے دل کے صحرا میں خلوت نشین رہ کر خواہشاتِ نفس اور طلبِ دنیا کو ترک کرو اور جانبِ حق ہجرت کرو۔ ہجرت کے لغوی معنی چھوڑ دینا، ترک کر دینا ہیں۔ ہجرت کی روح محبوب اشیائے دنیا کا ترک ہے۔ جب تک حرائے دل میں خلوت نشینی اور سوئے حق ہجرت گزینی اختیار نہ کی جائے اس وقت تک جہاد بالنفس میں کامیابی ممکن نہیں ہے۔ اقبال نے جنگِ مومن کی تشریح کرتے ہوئے اسے ہجرت سوئے دوست، ترک عالم اختیارِ کوئے دوست اور رہبانیِ اسلام قرار دیا ہے۔

جنگِ مومن چیست ہجرت سوئے دوست ترکِ عالم اختیار کوئے دوست
آنکہ حرفِ شوق با اقوام گفت جنگ را رہبانیِ اسلام گفت

ہجرت الی الحق سے انسانی خودی محکم ہو کر لوٹتی ہے، تو لات و عزائے ہوس کو پاش پاش کر دیتی ہے۔ اس معرکہ عظیم کو سر کر لینے کے بعد، انسانی خودی تکمیل پا کر عشق کی قوت حاصل کر لیتی ہے اور مقامِ فقر پر فائز ہو کر (انی جاعل'' فی الارض خلیفة) کی تفسیر بن جاتی ہے۔

اند کے اندر حرائے دل نشیں
ترکِ خود کن سوئے حق خلوت گزیں
محکم از حق شو سوئے خود گامزن
لات و عزائے ہوس را سر شکن
لشکرے پیدا کن از سلطانِ عشق
جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق
تا خدائے کعبہ بنوازد ترا
شرحِ انی جاعل'' سازد ترا

ضبطِ نفس کے باب میں اقبال نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی شخصیت کو بطور نمونۂ کمال پیش کیا ہے۔ حضور سرورِ عالم ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہ کو مسجد نبوی کے صحن میں فرش زمین پر لیٹے ہوئے یا اس حال میں پایا کہ آپ کے بدن پر فرش مسجد کی مٹی چمٹی ہوئی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا! اٹھ اے ابوتراب۔ (مٹی کے باپ)، اس دن سے آپکی کنیت ابوتراب مشہور ہو گئی۔ اقبال، حضرت علیؓ کے اسمائے مبارکہ کی شرح کرتے ہوئے ان کی اس کنیت ابوتراب کی تشریح فرماتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

یہ تاریک مٹی جس کا نام تن ہے اور جس کے ظلم و شر سے عقل فریاد کناں ہے۔ اللہ کے شیر علی مرتضیٰؓ نے اس خاک کو تسخیر کر لیا اور اس گل تاریک کو اکسیر بنا دیا۔ وہ علی مرتضیٰؓ جن کی تلوار سے حق روشن ہوا۔ وہ ابوتراب اس لیے ہیں کہ انہوں نے اپنے تن کی اقلیم (سلطنت) کو سر کر لیا۔

مرسل حق کرد نامش بوتراب
حق یداللہ خواند درام الکتاب
خاکِ تاریکے کہ نام اوتن است
عقل از بیداد او، درشیون است
شیر حق ایں خاک را تسخیر کرد
ایں گلِ تاریک را ،اکسیر کرد
مرتضیٰ کز تیغ او حق روشن است
بو تراب از فتح اقلیم تن است

حضرت علی شیر خدا، اپنی پامردی و استقلال کے سبب، فاتحِ اقلیم تن اور فاتح خیبر بنے۔ انہیں اپنے اوپر قاہرانہ قابو تھا۔ اس لیے ان کی گرفت حریف پر بھی بڑی مضبوط تھی۔ ان کے اندر جو گوہر ہائے صفات ہیں وہ ان کی خودداری کی وجہ سے ہیں۔ اور یہی خودداری اور حریت ان کے گوہر آبدار کی آبرو ہیں۔ جو بندہ حق دنیا میں ابوتراب بن جاتا ہے۔ وہ مغرب سے آفتاب واپس لوٹا سکتا ہے۔

مرد کشور گیراز کراری است
گوہر ش راآبرو خود داری است
ہر کہ در آفاق گرد و بو تراب
باز گرداندرز مغرب آفتاب

اس مصرع میں اقبال فاتح اقلیم تن حضرت ابوتراب علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی مثال دے کر مسلمان سے فرماتے ہیں کہ اپنی خاک بدن پر حکمرانی (سفلی جذبات اور نفسانی خواہشات پر قاہرانہ قابو) حاصل کرو تا کہ اپنی تاک خودی سے مے پرنور کا جام نوش کرو۔ خاک ہو کر مٹ جانا پروانوں کا مذہب ہے۔ اے مرد مسلمان ابوتراب (مٹی کا باپ) بن جا کہ یہی شیوۂ مردانگی ہے۔

حکمراں باید شدن برخاکِ خویش
تا مے روشن خوری ازتاک خویش

Marfat.com
Marfat.com

خاک گشتن مذہب پروانگی است
خاک رااب شوکہ ایں مردانگی است

برخاکِ خویش حکمرانی یا برخود قاہری اقبال کے نزدیک ضبطِ نفس کی معراج ہے۔

من غلام آں کہ بر خود قاہر است

اسی لیے اقبال فرماتے ہیں کہ اگر تو زیردست ہے تو برخود قاہری کے ذریعے زبردست بن جا۔ اگر خدا کا قرب چاہتا ہے تو اپنے قریب تر ہو جا

اگر زیری زخود گیری زبر شو
خدا خواہی بخود نزدیک تر شو

اس مصرع میں اشارہ ہے معجزہ رجعتِ شمس کی طرف۔

حضرت اسماء بنت عمیسؓ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ صہبا کے مقام پر حضور سرور عالم ﷺ، حضرت علی کرم اللہ وجہ کی گود میں سر رکھ کر آرام فرما رہے تھے۔ آپ پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ نمازِ عصر کا وقت گزر گیا۔ حضرت علیؓ نے نماز ادا کرنی تھی جبکہ نبی کریم ﷺ نماز ادا فرما چکے تھے۔ حضرت علیؓ نے محبوب کریم علیہ الصلوٰۃ وتسلیم کے آرام میں خلل آنے کے اندیشہ سے اپنی نماز قربان کر دی۔ حضور ﷺ بیدار ہوئے تو حضرت علی نماز کے فوت ہونے کے غم میں اشکبار تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا نماز قضا پڑھو گے یا ادا کرنا چاہو گے۔ آپ نے عرض کی اگر ادا ہو جائے تو کیا بات ہے۔ حضور ﷺ نے اذنِ الٰہی سے سورج کو حکم دیا اور سورج پلٹ آیا۔'') تربیت خودی کے مراحل، اطاعت اور ضبط نفس میں کسی مرشد کامل کی رہنمائی ناگزیر ہے۔ دراصل نفس امارہ بہت سرکش ہے اور اہلِ اللہ کی صحبت اختیار کیے بغیر اس پر قابو پانا مشکل ہے۔ اگر مرشد کی صحبت کے بغیر دلوں کا تزکیہ ممکن ہوتا تو اللہ تعالیٰ بعثتِ انبیاء کا سلسلہ جاری نہ فرماتا۔ بعثتِ انبیاء کا ایک عظیم الشان مقصد تزکیہ نفوس وقلوب بھی ہے۔ ویزکیھم (اور وہ ان کا تزکیہ فرماتے ہیں)

دم عارف نسیم صبحدم ہے
اسی سے ریشہء معنی میں دم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے
صلاحیت نبا شد ہیچ شے جز صحبت نیکاں
کہ قطرہ تا نیفتد در صدف گوہر نمی گردد

Marfat.com
Marfat.com

باب سوم

تکمیلِ خودی

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی
یہی ہے مومن کی قوتوں کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے ظل سبحانی

Marfat.com
Marfat.com

تکمیل خودی

بندہ حق مرشد کامل کی رہنمائی میں خودی کے مراحلِ تربیت طے کر لیتا ہے تو بندگی کے ارفع ترین مقام، نیا بت الہیہ پر فائز ہوتا ہے۔ اسی مقام کو اقبال مقام فقر کہتے ہیں۔

یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار اسی مقام سے آدم ہے ظلِ سبحانی

شانِ فقر کا حامل مرد خدا فقر کی تاثیر سے مولا صفات بن جاتا ہے اور زمان و مکان پر حکمران ہوتا ہے۔

فقر مومن چیست تسخیرِ جہات بندہ از تاثیر او مولا صفات

بندہ حق جب مولا صفات بن جاتا ہے۔ تو اس کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ دستِ قدرت کی بے پناہ قوتوں پر متصرف ہوتا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ غالب و کار آفریں کار کشا و کار ساز

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات ہر دو جہاں سے غنی اس کا دلِ بے نیاز

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ حلقہ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

بندہ حق کی خودی جب عشق سے محکم ہوتی ہے تو نظام عالم کی ظاہری اور مخفی قوتوں کو مسخر کر لیتی ہے۔ بندۂ حق اسکی قوت سے پوری کائنات پر حکمران ہو جاتا ہے اور اس کے اشارۂ انگشت سے چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

از محبت چوں خودی محکم شود قوتش فرماندہِ عالم شود

پنجہ ء او پنجہ حق می شود ماہ از انگشت اوشق می شود *

خصوماتِ جہاں میں اسے حکم کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے اور شاہانِ جہاں اس کے تابع فرماں ہوتے ہیں۔

درخصوماتِ جہاں گردد حکم تابع فرمانِ او دارا و جم

*اشارہ ہے معجزۂ شق القمر کی جانب جس کا ذکر قران وحدیث میں ہے۔ (اقتربت الساعۃ وانشق القمر (۵۴-۱) مقررہ ساعت قریب آ پہنچی اور چاند شق ہو گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے ہم نبی پاک ﷺ کے ہمراہ منیٰ میں تھے کہ کفار کے معجزہ طلب کرنے پر آپ کی انگلی کے اشارے سے چاند شق ہو گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ (جبل نور) کی طرف چلا گیا۔

Marfat.com
Marfat.com

مقامِ فقر، نیابتِ الٰہی

ازروئے قرآن اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر اپنا نائب یا خلیفہ بنا کر بھیجا۔ ''انی جاعل فی الارض خلیفة''۔ انسان میں اس اعلیٰ ترین منصب پر فائز ہونے کی بنیادی استعداد فطری طور پر پائی جاتی ہے۔ اور یہ استعداد ذو جہتین (دو جہتوں والی) ہے۔ آدم ہونے کی حیثیت میں حضرت انسان بشر ہے اور عالم بشریت سے تعلق رکھتا ہے۔ نفخ روح (فنفخت فیہ روحی، پس اس میں اپنی روح پھونکی، القران) (و نفخ فیہ من روح، السجدہ ۹) کی بدولت اس میں تجلیات الٰہیہ کے فیوضات کو قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ آدم جس قدر ان فیوضات کو اپنے اندر جذب کرتا جاتا ہے، اسی قدر اس پر صبغۃ اللہ (اللہ کا رنگ) غالب آتا جاتا ہے اور وہ مولا صفات، مظہر الوہیت بنتا چلا جاتا ہے۔

خاکی و نوری نہاد بندہ مولا صفات

حضور سرور عالم ﷺ جو آئینہ ذات حق ہیں (من رانی فقد رانی الحق) اور اسماء و صفات الٰہیہ کے مظہر اتم ہیں۔ آپ میں یہ دونوں شانیں بتمام و کمال موجود ہیں۔ اس لئے آپ برزخِ کبریٰ ہیں۔

ادھر مخلوق میں شامل ادھر اللہ سے واصل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

(امام احمد رضا خان بریلوی)

شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''فصوص الحکم'' کے ایک باب میں خلیفہ اللہ کی تخلیق کا سبب اور نائب حق کی صفات کو بیان کیا ہے۔ تخلیق آدم کا سبب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے اپنی جلوہ فرمائی کے لیے آئینۂ کائنات کو سنوارا۔ یہ آئینۂ عالم ہر طرح سے درست تھا مگر آدم کے بغیر یہ ایک ایسے آئینے کی طرح تھا جو صیقل شدہ نہ ہو۔ حق تعالیٰ نے آدم کے ذریعے آئینہ عالم کو جلا بخشی اور اس تن بے روح میں جان پڑ گئی۔ جلا پانے کے بعد یہ کائنات ایک ایسا آئینہ بن گئی جس میں منبع حسن و جمال، معشوقِ ازلی خود اپنا جلوہ دیکھ رہا ہے۔ فصوص الحکم کے اسی باب کی ''فصِ آدمیہ'' میں شیخ اکبرؒ نے خلافتِ الٰہیہ کی اس خصوصیت کو واضح کیا ہے کہ آدم خلیفہ اللہ ہونے کی حیثیت سے مظہر الوہیت ہے۔ چونکہ الوہیت کا خاصہ اقتدار اور تسخیر ہے، اس لیے آدم میں اقتدار و تسخیر کائنات کی استعداد ہونی لازم ہے۔ بصورت دیگر وہ خلافت و نیابت الٰہیہ کا اہل نہیں ہو سکتا اور اس کی تخلیق کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔ اقبال کے بارے میں یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ وہ شیخ اکبر ابن عربیؒ سے متاثر نہ تھے اور انہوں نے کہا تھا کہ ''جہاں تک مجھے علم ہے فصوص الحکم میں سوائے الحاد اور زندقہ کے اور کچھ نہیں

Marfat.com
Marfat.com

ہے'' لیکن یہ غلط فہمی اس لیے پیدا ہوئی کہ اقبال کے ذہنی ارتقا کے سفر کو بتمام وکمال سامنے نہیں رکھا جاتا۔ فصوص الحکم کے بارے میں اقبال کی یہ رائے 1915 میں تھی۔ جب انہوں نے ابن تیمیہ کی تصانیف کا مطالعہ کیا اور شیخ اکبر کے بارے میں گمراہ کن باتیں پڑھ کر ان سے بدظن ہو گئے۔ شیخ اکبرؒ کی فصوص الحکم کے بارے میں ان کی یہ رائے درحقیقت ابن تیمیہ ہی کی رائے ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ابن تیمیہ ان صورت پرستوں میں سے ہیں جنہیں ارباب ظواہر'' کہا گیا ہے۔ جو یداللہ اور وجہ اللہ وغیرہ کی تاویلات کو کفر سمجھتے ہیں۔

بعد میں جب اقبال نے خود فصوص الحکم کا مطالعہ کیا تو وہ شیخ اکبرؒ کی جلالتِ شان کے قائل ہو گئے اور ان کے بعد کے کلام زبورِ عجم، جاوید نامہ میں شیخ اکبرؒ کے افکار سے بھرپور استفادہ کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ شیخ اکبر کی اتباع میں اقبال یہ سمجھتے ہیں کہ اگر آدم تسخیر کائنات کی استعداد کو عملاً ظاہر نہیں کرتا تو وہ خلافت الہیہ کے مقامِ رفیع پر فائز نہیں ہوسکتا۔ جب تک نائب میں منوب کی صفات بالفصل موجود نہ ہوں، وہ نیابت کا حق ادا نہیں کرسکتا۔ نائب حق کی تعریف کرتے ہوئے اقبال کہتے ہیں کہ دنیا میں خلیفہ اللہ ہونا کس قدر عظمت وشان کا حامل ہے۔ نائبِ حق عناصر پر حکمران ہوتا ہے۔ نائبِ حق جان جہان ہوتا ہے اس کی ہستی دنیا میں اسمِ اعظم کا سایہ ہے۔ وہ جزو کل کے رازوں سے آگاہ ہوتا ہے اور دنیا میں قائم بامر اللہ ہوتا ہے۔

نائب حق در جہاں بودن ِ خوش است
بر عناصر حکمراں بودن خوش است
نائب حق ہمچو جان عالم است
ہستی او ظلِ اسمِ اعظم است
ازر موز جزو کل آگہ بود
در جہاں قائم بامر اللہ بود

نائب حق جب زمانے کے گھوڑے کی لگام ہاتھ میں لیتا ہے تو اس کی رفتار تیز تر کر دیتا ہے۔ بندہ حق کی ہیبت دریائے نیل کو خشک کر دیتی ہے۔ اس کے لبوں سے کلمہ قم سن کر مردہ جانیں قبر میں اس طرح اٹھ کھڑی ہوتی ہیں جیسے باغ میں سرو وصنوبر۔ اس کی ذات کائنات کی توجیہ ہے اور اس کا جلال کائنات کی نجات کا وسیلہ ہے۔

چوں عناں گیرد بدست آں شہسوار
تیز تر گردد سمندِ روزگار
خشک سازد ہیبتِ او نیل را
می برد از مصر اسرائیل را

Marfat.com
Marfat.com

از قم او خیزد اندر گورتن
مردہ جانہاچوں صنوبر در چمن
ذاتِ او توجیہِ ذاتِ عالم است
از جلال او نجات عالم است

Marfat.com
Marfat.com

طالب ومطلوب

شیخ اکبر ابن عربیؒ کے مطابق حق تعالیٰ حسن وعشق کا منبع ہے۔ اس میں عاشق ومعشوق ہر دو شانیں موجود ہیں اور یہ کائنات اس کے تقاضائے حسن کا نتیجہ ہے حدیث قدسی ہے۔ کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان عرف فخلقت الخلق اور ایک اور روایت میں ہے۔ ''میں ایک چھپا ہوا خزانہ (حسن مخفی) تھا میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا۔ پس میں نے نور محمد کو تخلیق کیا۔''

تخلیق کائنات کا سبب چاہت ہے۔ حق تعالیٰ نے چاہا کہ کوئی اس کے حسنِ ازلی کا پرستار، اس کا چاہنے والا، اس کا طالب ہو۔ پس اس نے نور محمد ﷺ کو تخلیق فرمایا جو جن وانس اور پوری کائنات کی جان ہے۔ جس سے پوری کائنات اور ارواحِ عالم کو تخلیق فرمایا گیا۔ پھر ان ارواح کے مجمع میں یوم الست، معشوق حقیقی اور عشاق کے درمیان قول وقرار ہوا۔ الست بربکم، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ قالوا بلیٰ سب نے کہا! ہاں ہم گواہ ہیں۔ اور جب حق تعالیٰ نے زمین، آسمانوں، پہاڑوں شمس وقمر ونجوم ساری کائنات کو پیدا کیا اور ان سب کے سامنے بارِ امانت پیش کیا گیا کہ کون ہے جو یہ بار امانت اٹھائے تو سب خاموش رہے۔ ان کی خامشی اور انکار بجا تھا کہ ان میں عشق الٰہی کو سہارنے کی تاب نہ تھی۔ وہ یہ بار امانت کیسے اٹھاتے۔ پھر ظالم وجاہل انسان نے بلا تامل اس بارِ عظیم کو اٹھالیا اور

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

قرآن حکیم میں اس واقعۂ عظیم کا ذکر اس طرح فرمایا گیا۔

اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَيۡنَ اَنۡ يَّحۡمِلۡنَهَا وَاَشۡفَقۡنَ مِنۡهَا وَحَمَلَهَا الۡاِنۡسَانُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوۡمًا جَهُوۡلًا ۙ

''ہم نے پیش کی اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے تو انہوں نے اسے اٹھانے سے انکار کر دیا اور وہ ڈر گئے۔ اس سے، اور اٹھالیا اس کو انسان نے بیشک یہ ظلوم وجہول ہے۔

علامہ پانی پتی تفسیر مظہری میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

''اس سے وہ امانت مراد ہے جسے صرف انسان اٹھا سکتا ہے اور کوئی مخلوق اسے اٹھانے کی ہمت واہلیت نہیں رکھتی۔ اگر اس امانت سے مراد احکامِ شرعیہ ہوں تو یہ صرف انساں کی خصوصیت نہیں بلکہ جن اور ملائکہ بھی مکلف ہیں۔ اسطرح انکی فضیلت انسان پر لازم آتی ہے کیونکہ ان کی شان تو یہ ہے کہ وہ دن رات تسبیح میں مصروف رہتے ہیں اور ذرا نہیں تھکتے مگر انسان کی یہ حالت نہیں ہے۔ صوفیائے کرام نے امانت کی تفسیر نور العقل اور نار العشق

Marfat.com
Marfat.com

بیان کی ہے۔ نورِ عقل استدلال کے ذریعے معرفتِ الٰہی حاصل کرتا ہے اور نارِ عشق حجابات کو جلا کر معرفتِ حق عطا کرتی ہے۔ لاریب فرشتے بھی حق تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں لیکن ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک مخصوص مقام و حد مقرر ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کر سکتے لیکن سوزِ عشق کی بدولت غیر متناہی درجات تک ترقی کرتے جانا حضرت انسان کی خصوصی شان ہے۔

نہ کر تقلید اے جبریل مرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ
کوئی جبریل سے پوچھے مری پرواز کی شوکت
ستارے بھی تماشائی ملائک بھی تماشائی

علامہ پانی پتیؒ ظلوماً جھولاً کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ انسان میں دو قوتیں ودیعت شدہ ہوتی ہیں۔ ایک سبعیہ اور دوسری بہیمیہ۔ سبعی قوتوں سے اس کے دل میں تفوق اور برتری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے جس سے وہ معرفت کی بلندیاں سر کرتا ہے اور بہیمی طاقتوں کے باعث اس میں جفاکشی اور مشقت کو جھیلنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، جس کے باعث وہ طویل ریاضتوں اور مشکل عبادتوں کا بوجھ صبر و تحمل اور استقامت سے برداشت کرتا ہوا منزلِ مقصود کی سمت بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اگر یہ دو قوتیں انسان میں نہ ہوتیں تو وہ ہمیشہ ساحلِ عافیت پر خیمہ زن رہتا اور کبھی آزمائش کے تند و تیز طوفانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ اسی آیت کی تفسیر میں حضرت جنید بغدادیؒ نے ایک نہایت پر لطف بات کی ہے۔

فرماتے ہیں: ''اس بارِ امانت کو اٹھاتے وقت آدم کی نظر امانت کے بوجھ پر نہ تھی بلکہ امانت دینے والے پر تھی۔ اس امانت کے پیش کرنے میں جو لطف و سرور تھا اس نے امانت کی گرانی کو نظروں سے اوجھل کر دیا۔ یقیناً لطفِ ربانی نے آدم کی اس نیاز مندی اور ہمت سے خوش ہو کر اسے اس بارِ عظیم کو اٹھانے کی توفیق عطا کر دی اور حوصلہ عنایت فرمایا۔

راہ او رابدو تواں بنمود
بار او رابدو تواں برداشت
برداشتن از تو ونگاہ داشتن ازمن

مولانا جامیؒ ''ظلوماً جہولا'' کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انسان کے سوا کسی نے اس بارِ امانت کو قبول نہ کیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان ظلوم و جہول ہے۔ اس کا ظلم یہ ہے کہ اس نے اپنی ہستی کو بقائے سرمدی کے لیے فانی بنانا قبول کر لیا۔ اس کا جہل یہ ہے کہ حق کے سوا ہر شے کا

Marfat.com
Marfat.com

نقش اپنی لوحِ دل سے مٹادیا ہے۔ کیسا اچھا ظلم ہے، یہ کہ جو عین معدلت ہے اور کیسی اچھی جہالت ہے کہ جو معرفت کی جان ہے۔

غیر انسان کس نکرد قبول
زانکہ انسان ظلوم بود وجہول
ظلم او آں کہ ہستی خودرا
ساخت فانی بقائے سرمد را
جہل اوآں کہ ہرچہ جز حق بود
صورت آں ز لوح دل نزدود
نیک ظلمے کہ عین معدلت است
نغز جہلے کہ مغز معرفت است

اقبال دوراول کی ایک غزل کے مطلع میں اسی مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں

سختیاں کرتا ہوں دل پر غیر سے غافل ہوں میں
ہائے کیا اچھی کہی ظالم ہوں میں جاہل ہوں میں
ہے مری ذلت ہی کچھ میری شرافت کی دلیل
جس کی غفلت کو فلک روتے ہیں وہ غافل ہوں میں

انسان کا یہ ظلم وجہل درحقیقت صد علم وعدل ہے۔ اذاجاوز شی حدہ انعکس ضدہ کے مصداق جب کوئی شے حد سے تجاوز کر جائے تو اپنی ضد سے بدل جاتی ہے۔ یہاں ظلوم وجہول صیغۂ مبالغہ ہے۔ چنانچہ جب یہ دو صفتیں حد سے بڑھ گئیں تو اپنی ضد سے مبدل ہوگئیں۔ اس لئے ظلوماً جہولا انسان کی مدح ہے نہ کہ ذم۔

حضرت آدم نے بارامانت جوان کی طاقت سے بہت زیادہ تھا، ہمت عالی کیساتھ برداشت کرلیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آدم نے اپنے نفس پر ظلم کیا اور جاہل اس لئے کہا گیا کہ وہ غیر حق سے جاہل ہے۔ انسان اس بار امانت کو یارِ حقیقی کی مدد سے اٹھانے میں کامیاب ہوا۔

آں بار کہ از بردن او عرش ابا کرد
باقوتِ تو حامل ِ آں یار تواں بود

میر تقی میر نے بھی اسی بارِ امانت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا

سب پہ جس بار نے گرانی کی

Marfat.com
Marfat.com

اس کو یہ ناتواں اٹھا لایا

اس بارامانت کی خلقت سوائے اس انسان کی قامت زیبا کے کہ انی جاعل'' فی الارض خلیفة ' کا منشور جس کے نام لکھ دیا گیا کسی پر راست نہ آئی اور اس عظیم مہتم بالشان کام کا ذمہ لینے اور اس ہمت آزما مہم کو سر کرنے کے سبب اس کا نام ظلوماً جہولا رکھا گیا تا کہ حاسدین کی چشم زخم دور ہو

تا کور شود آں کہ نتواند دید

اقبال اسرار خودی میں مسلمانوں کی توجہ آداب امانت کی طرف مبذول کراتے ہوئے، کہتے ہیں۔ اے بندہ مومن تو آداب امانت سے بے خبر ہے۔ یہ بارِ امانت پوری کائنات پر ترے غلبہ وتفوق کا مظہر ہے۔ اپنے آپ کو پوری کائنات سے بہتر شمار کر اور رموز حیات سے آگاہ ہو کر غیر اللہ سے بے نیاز ہو جا تیرا ظلم و جہل غیر اللہ کے لئے ہے۔

اے ز آداب امانت بے خبر
از دو عالم خویش را بہتر شمرد
از رموز زندگی آگاہ شو
ظالم و جاہل زغیر اللہ شو

نائب حق طالب بھی ہوتا ہے اور مطلوب بھی۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا'' اور وہ جو ایمان والے ہیں ان کی محبت اللہ تعالی کے لیے بہت شدید ہے۔

حق تعالیٰ معشوق بھی ہے اور عاشق بھی، محب بھی ہے محبوب بھی۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

(اے حبیب آپ فرما دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو۔ اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا)

حق تعالیٰ فرماتا ہے'' اگر میرا بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے۔ تو میں اس کی طرف ایک گز بڑھتا ہوں۔ وہ اگر میری طرف چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر اسے اپنی آغوش رحمت میں لے لیتا ہوں۔

فاذکرونی اذکرکم

''پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا۔''

محبت کے بغیر کوئی کسی کو یاد نہیں کیا کرتا۔ ذکر کیا ہے؟ قلب کو محبوب کے تصور سے آباد کرنا اور اس کے سوا جملہ تصورات سے پاک کر دینا۔

تخلیق آدم کا مقصد یہی ہے کہ وہ اپنے رب کی جستجو کرے۔ اس سے محبت کرے اور اس کا رب اعلیٰ طلب و

Marfat.com
Marfat.com

تلاش میں ہو۔ اقبال نے اپنی ایک غزل میں اسی تصور کو پیش کیا ہے۔

ہم اس خدا سے گمشدہ ہیں جو ہماری جستجو میں ہے

جیسے ہم نیاز مند ہیں وہ بھی ہمارا طلبگار ہے، جس طرح ہم اس کے لیے بیتاب ہیں، وہ بھی ہم سے وصال کا آرزومند ہے۔ کبھی برگ لالہ پہ اپنا پیغام لکھ کر بھیجتا ہے۔ کبھی اس کا پیام شوق مرغان چمن کی نغمہ سرائی میں ظاہر ہوتا ہے۔ وہ نرگس کی آنکھ میں آبیٹھتا ہے کہ ہمارے جمال کا مظاہرہ کرے۔ اس کا یہ کرشمۂ قدرت دیکھو کہ وہ چشم نرگس کے ذریعے محوِ گفتگو ہوتا ہے۔ اس کی اس آہِ سحر گاہی سے کہ جو وہ ہمارے فراق میں کھینچتا ہے بوقت صبح کائنات میں بادِ سحر چلتی ہے۔

ما از خدائے گمشدہ ایم او بہ جستجو است
چوں ما نیاز مند و گرفتارِ آرزوست
گاہے بہ برگ لالہ نویسد پیام خویش
گاہے درونِ سینہ مرغاں بہ ہاؤ ہوست
در نرگس آرمید کہ بیند جمال ما
چنداں کرشمہ داں کہ نگاہش بہ گفتگو ست
آہے سحر گہے کہ زند درفراق ما
بیروں و اندروں زبروز یر وچار سوست

حضرت پیرِ پیراں غوث الاعظم محبوب سبحانی فرماتے ہیں۔

''صرف اللہ تعالیٰ کی محبت طلب کر، ابتداء میں تو اللہ سے محبت کرتا ہے تو تو مرید ہے اور وہ تیری مراد ہے اور انتہا میں تو مراد ہے اور وہ تیرا مرید ہے، غافل جو تجھ سے پیار کرتا ہے تو بھی اس سے پیار کر''

اقبال فرماتے ہیں

نہ تو اندر گنجی نہ در در بتخانہ می آئی
ولیکن سوئے مشتاقاں چہ مشتاقانہ می آئی

غرض یہ کہ اللہ تعالیٰ محض مطلوب ہی نہیں طالب بھی ہے۔ جس طرح ہم اس کے طلب گار ہیں وہ ہمارا طلب گار ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بندہ اپنے رب سے محبت کرے اور اسکا رب اسکی محبت کا جواب محبت سے نہ دے ۔اس نے تو یہ کارخانہ قدرت پیدا ہی محبت کے لیے فرمایا ہے۔

بقول شیخ اکبرؒ:۔ وہ حرکت جو سبب ہوئی وجود عالم کا، حق تعالیٰ کی ''حرکت حبی'' تھی۔

Marfat.com
Marfat.com

کنت کنزا مخفیا فاحببت

پس اگر یہ محبت الٰہی کارفرما نہ ہوتی تو یہ عالم وجود خارجی میں ظاہر نہ ہوتا۔

قرآن حکیم نے جن وانسان کی تخلیق کا مقصد محبت بیان کیا ہے۔

وما خلقت الجن ولا نس الا لیعبدون ۔

"(میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا)

اہل نظر جانتے ہیں کہ عبادت کے معنی اطاعت کے ہیں اور اطاعت اس وقت تک ممکن نہیں جب تک مطاع کی محبت دل میں جاگزیں نہ ہو۔ جب تک عابد کے دل میں محبت الٰہی موجزن نہ ہو وہ عبادت کر ہی نہیں سکتا۔

حق تعالیٰ محبوب بھی ہے اور محب بھی مگر ابتدائے عشق بندے کی طرف سے ہوتی ہے۔ تا کہ بندے کی مخفی صلاحیتیں، عشق الٰہی کی بدولت بروئے کار آسکیں اور وہ روحانی ترقی کے مدارج طے کر سکے۔ ازیں سبب، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کرونگا۔

یہ نہیں فرمایا کہ میں تمہیں یاد کرتا ہوں تم بھی مجھے یاد کرو۔ حق تعالیٰ کی ذاتی شان محبوبیت ہے کیونکہ وہ منبع حسن وخوبی اور سرچشمہ جمال ہے ''الصمد'' ہونے کے سبب اس کا حقیقی مقام ''ناز'' ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب بندہ اپنی نیازمندی کا خلوص دل سے اظہار کرتا ہے تو مولا تعالیٰ مقام ناز سے مقام نیاز میں نزول فرماتا ہے۔ محبوب حقیقی اگرچہ سراپا ناز ہے مگر آئین دلنوازی سے بھی واقف ہے اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ ناز و نیاز، حسن وعشق، جلال و جمال ہر دو کا منبع ہے۔ الغرض اس طرح انسان حق تعالیٰ کا طالب ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ بھی انسان کا منتظر ہے۔

اگر بندہ اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے تو رب تعالیٰ اس کے لیے اپنی آغوش رحمت وا کر دیتا ہے اور فرماتا ہے۔

یا ایتھا النفس المطمئنۃ الرجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ

''اے میرے طلبگار مطمئن نفس (وہ نفس جو عشق کی آگ میں جل کر ضبط وتزکیہ کے ارتقائی مراحل طے کر لیتا ہے) اپنے رب کی طرف لوٹ آ۔ اس حال میں کہ تو اپنے رب سے راضی اور تر ارب تجھ سے راضی ہے''

اقبال کہتے ہیں عبد و مولا دونوں ایک دوسرے کی گھات میں ہیں۔ دونوں ذوق نظر کے سبب بیتاب ہیں۔ زندگی سراپا جستجو ہے۔ جہاں کہیں بھی ہو اور یہ نکتہ حل نہیں ہو پایا کہ میں صید ہوں یا وہ۔

عبد و مولیٰ در کمین یک دگر\
ہر دو بیتاب اند از ذوق نظر\
زندگی ہر جا کہ باشد جستجو ست\
حل نشد ایں نکتہ من صیدم کہ اوست

Marfat.com
Marfat.com

اطاعت اور ضبطِ نفس کے مراحل طے کر کے بندہ حق نیابت الٰہی، مقام فقر پر فائز ہوتا ہے، تو وہ طالب سے مطلوب بن جاتا ہے اور اسے قرب الٰہی میسر آتا ہے۔ قرب الٰہی نائبِ حق کو حیاتِ دوام عطا کرتا ہے۔ حیاتِ دوام یا حیاتِ مطلق وہ زندگی ہے جو زمان و مکان کی قیود سے بالاتر ہے۔ اور صرف حق تعالیٰ کی ہے۔ بندہ جب معیتِ حق میں زندگی بسر کرتا ہے تو قربِ خداوندی سے زمان و مکاں کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔

وھو معکم انما کم

(اور وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی تم ہو)

جسے معیتِ خداوندی کا مقام حاصل ہو جائے وہ خدا کے ساتھ ہوگا۔ اور جہاں خدا ہوگا، وہیں بندہ بھی اور ہر خوف و غم سے آزاد ہوگا۔

حق تعالیٰ زمان و مکان سے ماورا ہے تو بندۂ مولا صفات بھی زمان و مکاں سے ماورا ہو جاتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں، یہ حق ہے کہ وہ زندہ ہے اور اسے کبھی موت نہیں آنی۔ اس کے ساتھ زندہ رہنا حیاتِ دوام ہے۔

آنکہ حی لایموت آمد حق است
زیستن باحق حیاتِ مطلق است

بندہ حق ہر لمحہ معیتِ الٰہی کے احساس سے سرشار رہتا ہے۔

نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ہم اسکی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں)

کا فرمانِ خداوندی اس پر ہمہ وقت قربِ کریم کا احساس طاری رکھتا ہے۔ اقبال کے نزدیک کمالِ زندگی دیدار ذاتِ الٰہی ہے۔ اس طرح کہ وہ تمہیں دیکھے اور تم اسے دیکھو اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ بندہ زمان و مکان پر غالب آجائے۔

کمال زندگی دیدارِ ذات است
طریقش رستن از بندہِ جہات است
چناں با ذات حق خلوت گزینی
ترا او بیندو او، را تو بینی

رستن از بند جہات یعنی زمان و مکان پر غالب آنے کا دوسرا نام فقر ہے۔ یہ غلبہ و تسلط کمالِ اطاعت اور کمالِ ضبط نفس سے حاصل ہوتا ہے جو انسان کو مقصود حیات، دیدار الٰہی تک پہنچاتا ہے۔ دیدار کے لیے شرط یہ ہے کہ جس کا دیدار مطلوب ہے خود بھی وہی ہو جاؤ۔ مولانا روم فرماتے ہیں اگر قیامت دیکھنا چاہتے ہو تو قیامت بن جاؤ۔ ہر شے کے دیکھنے کی یہی شرط ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

پس قیامت شو قیامت رابیں

دیدنِ ہر چیز راشرط است ایں

لہٰذا اگر دیدارالٰہی چاہتے ہوتو اپنے اندر مولا صفاتی پیدا کرو۔ جب تک دوئی اور غیریت مٹ نہ جائے دیدار ممکن نہیں ہے۔ فقر بندہ حق کو مولا صفات بنا دیتا ہے۔ جب مردمومن میں صفاتِ حق جلوہ گر ہوتی ہیں وہ ایک قدم اور آگے بڑھتا ہے۔ اپنے آقا و مولا حضور سید عالم ﷺ کی اتباع میں دیدارِ ذات کو اپنا مقصود بناتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ مردمومن صرف صفات پر مطمئن نہیں کیونکہ اس کے آقا و مولا مصطفیٰ ﷺ دیدار ذات سے کمتر درجہ پر راضی نہیں ہوئے۔

مرد مومن در نسازد باصفات

مصطفیٰ راضی نشد الا بذات

کیونکہ وہ اس راز سے باخبر ہوتا ہے کہ زندگی کا مقصد اس مقام رفیع تک پہنچنا ہے جو خدا نے اس کے لیے مقرر کیا ہے اور مقام وہ ہے جہاں ذاتِ حق کو بے پردہ دیکھا جا سکتا ہے۔

بر مقام خود رسیدن زندگی است

ذات رابے پردہ دیدن زندگی است

وہ مقام قرب الٰہی کا ایسا مقام ہے جس کا بیان لفظوں میں ناممکن ہے۔ مولانا روم کے فرمان کے مطابق رب الناس کا جانِ ناس کے ساتھ ایسا قرب و اتصال کہ جو بے تکیف اور بے قیاس ہے اور جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اتصالِ بے تکیف و بے قیاس

ہست رب الناس رابا جانِ ناس

Marfat.com
Marfat.com

فقر توحید کا مترادف ہے !

مطالعہ افکارِ اقبال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقر اور توحید ایک ہی شان کے دو نام ہیں۔
توحید کیا ہے۔ لا الہ الا اللہ! اقبال فرماتے ہیں

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ

اس شعر میں خودی بمنزلہ تیغ ہے اور کلمہ توحید بمنزلہ فساں ہے
اسی حقیقت کو ایک دوسرے انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں

چڑھتی ہے جب فقر کی سانِ پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کار سپاہ

اس میں اقبال خودی کو بمنزلہ تیغ اور فقر کو بمنزلہ فساں قرار دیتے ہیں۔

دونوں شعر پڑھنے کے بعد ہم اس حقیقت کو پا لیتے ہیں کہ فقر و توحید ایک ہی حقیقت کی دو تعبیریں ہیں اور اس کے ساتھ یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ بندہ حق کی خودی جب تک فقر کی سان پر نہیں چڑھتی وہ اپنا مقصود حیات نہیں پا سکتا۔ جب اس میں رنگِ فقر پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ کائنات پر چھا جاتا ہے اور سلطان و امیر اس کے بستہ فتراک ہو جاتے ہیں توحید اسلام کی بنیاد ہے اور اقبال کے نزدیک اسلام کا دوسرا نام فقرِ غیور ہے۔

فقر کا یہ رنگ صبغت اللہ ہے جسے قرآن حکیم میں احسن ترین رنگ قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے حصول کے لئے اطاعت کو شرطِ لازم گردانا گیا ہے۔

صِبغَةَاللّٰه وَمَن اَحسَنُ مَنَ اللّٰهِ صِبغَةً و نَحنُ لهُ عٰبدون.

(کہدو کہ ہم نے) اللہ کا رنگ (اختیار کر لیا ہے) اور اللہ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے اور ہم اس کی عبادت کرتے ہیں۔

اقبال مسلمان کو اپنے اندر مولا صفاتی اور صبغۃ اللہ پیدا کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

قلب را از صبغۃ اللہ رنگ دہ
عشق را نا موس و نام وننگ دہ

صبغۃ اللہ وہ توحید کا رنگ ہے جو بندہ خدا میں عشق الٰہی سے پیدا ہوتا ہے عشق کا یہ خاصہ ہے کہ وہ عاشق میں معشوق کا رنگ پیدا کر دیتا ہے۔ پس چہ باید کرد؟

Marfat.com
Marfat.com

میں اقبال نے لا الہ الا اللہ کے عنوان کے تحت اس رنگ کو بالوضاحت بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں

نکتہ می گویم از مردانِ حال امتاں را لا جلال اِلاّ جمال

لاَ میں تمام معبودانِ باطلہ کی نفی اور اِلاّ میں معبودِ حقیقی کا اثبات ہے۔ فقرِ غیور لا و اِلاّ کے جلال و جمال کا امین ہوتا ہے۔ لا و الا کا جلال و جمال صاحب فقر میں اپنی عظمتوں اور تابنا کیوں کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔ اقبال نے فقر کی جلالی اور جمالی شانوں کو بے نیازی ہائے فقر اور دلنوازی ہائے فقر کا نام دیا ہے۔ اور انہیں قوت دین اور حکمت دیں قرار دیا ہے۔

حکمتِ دیں دلنوازی ہائے فقر
قوتِ دیں بے نیازی ہائے فقر

فقر کے بے نیازیوں اور دلنوازیوں سے کماحقہ آگاہ ہونے کے لئے لا و الا کے جلال و جمال سے آشنائی حاصل کیجئے۔

اقبال کہتے ہیں کہ لا و الا یہ دو حرف کائنات کی بنیاد اور اس کا آغاز ہیں اور یہی احتساب کائنات بھی ہیں۔

لا و الا احتسابات کائنات
لاَ و الا فتح بابِ کائنات

یہ دونوں حرف عالم کن فکاں کی تقدیر ہیں لا سے کائنات میں حرکت ہوئی اور الا سے سکون و اطمینان۔ جب تک لا الہ کی حقیقت سمجھ میں نہ آئے غیر اللہ کی غلامی سے نجات ممکن نہیں۔

ہر دو تقدیرِ جہانِ کاف و نوں
حرکت از لا زاید از الا سکوں
تا زِ رمزِ لا الہ آید بدست
بندِ غیر اللہ را نتواں شکست

اس کائنات میں بندہ حق کے کام کا آغاز حرف لا سے ہوتا ہے۔ بندہ حق سب سے پہلے لا کے گرز کوہ شکن سے تمام معبودانِ باطلہ کو نیست و نابود کر دیتا ہے۔ جب وہ ضرب لا الہ سے باطل کو مٹا دیتا ہے۔ تو پھر اِلاّ اللہ کی منزل کی طرف بڑھتا ہے۔ ''لا'' مرد خدا کی پہلی منزل ہے۔

در جہاں آغازِ کار از حرفِ لا ست
ایں نخستیں منزلِ مردِ خداست

غیر اللہ کے سامنے لا الہ کا نعرہ باطل سوز بلند کرنا عین حیات ہے۔ اور اسی حرف لا کے ہنگاموں سے بزم

Marfat.com
Marfat.com

کائنات میں تازگی اور رونق ہے۔

لَا باطل کے خلاف اعلانِ جنگ ہے یہ ریزہ ریزہ کر دینے والی ضرب ہائے مسلسل کا مقام ہے لا الہ بجلی کی کڑک ہے بانسری کی لے نہیں۔

پیش غیر اللہ لا گفتن حیات
تازہ از ہنگامہ او کائنات
لا مقام ضرب ہائے پے بہ پے
ایں غوِ رعداست نے آواز نے

لا مرد خدا کی پہلی منزل اور کارِ حیات کا سرِ آغاز ہے اس لئے بندہ مومن اس سے آگے بڑھتا ہے اس کا خرام اب لا اللہ کی جانب ہوتا ہے۔

درمقام لِا نیا ساید حیات
سوئے الا می خرامد کائنات

لا الہ کے ذریعے معبودانِ باطلہ کی لفی کرنے کے ساتھ الا اللہ کے ذریعے معبود حقیقی کا اثبات از بسکہ ضروری ہے۔ بغیر اثبات کے نفی محض قوموں کے لئے موت کا باعث ہوتی ہے اور لا والا دونوں ملکر قوموں کی عظمت و عروج کا سامان بنتے ہیں۔

لا والا ساز وبرگِ امتاں
نفی ءِ بے اثبات مرگِ امتاں

جسطرح تہذیب مغرب نفی بے اثبات کے سبب منطقی انجام سے دوچار ہے۔

لبالب شیشہءِ تہذیب حاضر ہے سے لا سے
مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانہ ءِ لا

یہ دنیا اور اس کا مال و متاع جسے تو طلبگار نگاہوں سے دیکھتا ہے دو جو کے برابر قیمت نہیں رکھتا۔ اے مسلمان !لا الہ کے جلال سے آگاہ ہو۔ جس کے ہاتھ میں لا الہ کی تلوار آجائے وہ پوری کائنات کو تسخیر کر لیتا ہے۔ وہ مرد مجاہد جس کے دستِ قدرت میں شمشیر لا آجاتی ہے۔ ساری کائنات اور جملہ موجوات پر فرمانروا ہو جاتا ہے۔ کائنات کی ہر شے اس کے تابع فرماں ہو جاتی ہے۔

ایں کہ می بینی نیرز د بادو جو
از جلالِ لا الہ آگاہ شو

Marfat.com
Marfat.com

ہر کہ اندر دستِ او شمشیر لاست
جملہ موجود ات را فرمانرواست

موجودات پر فرمانروائی جہاں فرد کے لئے توحید کا انعام ہوتی ہے وہاں ملت بھی توحید مست ہوکر قوت و جبروت کی حامل بن جاتی ہے۔ فرد توحید کی قوت سے طائر لاہوتی بن کر بلند پروازی کرتا ہے۔ اور فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر ہو جاتا ہے تو ملت نے توحید سے سرشار ہوکر جلال و جبروت اور قوت و شوکت حاصل کر لیتی ہے۔

فرد از توحید لاہوتی شود
ملت از توحید جبروتی شود

اسی توحید کے فیضان سے جہاں بایزیدؒ و شبلیؒ و بوذرؓ جیسے پیکران فقر او ستغنا پیدا ہوئے وہاں اسی توحید نے قوموں کو سنجر و طغرل جیسے جلیل القدر حکمران عطا کئے۔ بایزیدؒ و شبلیؒ و بوذرؓ از وست۔ امتاں را طغرل و سنجر از وست مرد فقیر کی ہیبت اور اس کا جلال لا الہ سے ہوتا ہے اور یہی لا الہ سلطان و امیر کی قوت بھی ہے لا الہ کی دو دھاری تلوار ماسوی اللہ کا نام و نشان مٹا دیتی ہے۔

قوت سلطان و میراز لا الہ
ہیبت مرد فقیر از لا الہ
تادو تیغ لا و لا داشتیم
ماسوا اللہ را نشاراں نکذاشتیم

فرد و ملت دونوں توحید ہی سے اکتساب کمال کرتے ہیں، کہیں یہ قوت جاہ و جلالِ سلیمانیؑ کی صورت ظاہر ہوتی ہے تو کہیں جمال فقرِ سلمانیؓ کے پیکر میں بے نقاب ہوتی ہے توحید کا جلال و جمال فقر و سلطانی سے عیاں ہوتا ہے۔

ہر دواز توحید می گیرد کمال
زندگی ایں را جلال آں را جمال
ایں سلیمانیؑ است آں سلمانیؓ است
آں سراپا فقر ایں سلطانی است

لا الہ کے دو حرف محض زبان سے ادا کر دینے سے وہ قوت حاصل نہیں ہو سکتی جو فقر و سلطانی کی مظہر ہو۔

خرد نے کہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اقبال کہتے ہیں۔ میں جب یہ کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو لرز جاتا ہوں کیونکہ میں مشکلات لا الہ سے

Marfat.com
Marfat.com

آگاہ ہوں۔

چومی گوی مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا الہ را

جب بندہ حق زبان سے لا الہ کہتا ہے تو تمام معبودانِ باطلہ کی نفی کرتا ہے لا الہ کہنے کا تقاضا یہ ہے کہ کہنے والے کا کردار اس کے دعویٰ کی بین دلیل ہو۔ اور وہ جب لا الہ کہے تو خاشاک باطل کو جلا کر راکھ کر ڈالے۔

اس لئے اقبال فرماتے ہیں اگر لا الہ کہنا ہے تو از روئے جان و دلِ کہو اور اسطرح کہو کہ تمہارے اندام سے خوشبوئے جان آنے لگے۔ جب تم لا الہ از روئے جاں کہو گے تو یہ دو صرف محض گفتار نہیں رہیں گے۔ بلکہ تمہارے کردار کی قوت بن جائیں گے۔ پھر لا الہ تمہارے ہاتھ میں ایک ایسی تیغِ بے زنہار کی مانند ہونگے جو باطل کی رگوں سے خون کھینچ لیتی ہے۔ لا الہ کے سوز کے ساتھ جینا ہی مولا صفاتی ہے اور لا الہ باطل کے لیے ایک ضرب کاری ہے

لا الہ گوئی بگواز روئے جاں
تاز اندام تو آید بوئے جاں
ایں دو حرف لا الہ گفتار نیست
لا الہ جز تیغ بے زنہار سنت
زیستن با سوز او قہاری است
لا الہ ضرب است و ضرب کاری است

اقبال کے نزدیک یہی دو حرف لا الہ مرد قلندر کی متاع کل ہیں۔

قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ بھی نہیں رکھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغت ہائے حجازی کا

الغرض توحید ایک زندہ قوت کا نام ہے جسے مسلمانوں نے فقط اک مسئلہ علم کلام بنا دیا۔ اقبال بصد حسرت و افسوس کہتے ہیں۔

زندہ قوت تھی جہاں میں ہی توحید کبھی
آج کیا ہے فقط اک مسلہ علم کلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمت کر دار نہ ہو
خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میرسیہ تری سپاہ دیکھی ہے

Marfat.com
Marfat.com

قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

بالِ جبریل میں فرماتے ہیں۔

خودی سے اس طلسم رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھا نہ میں سمجھا

مردِ فقیر توحید کے فیضان سے یگانہ و بے مثال بن جاتا ہے۔

تنہا و یکتا ہوتا ہے وہ کاروان حیات کو جلو میں لے کر چلتا ہے مگر وہ سب میں یکتا اور بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ ''باہمہ'' اور ''بے ہمہ'' ہو جاتا ہے۔ رموزِ بے خودی میں دین کے اساسی ارکان کے رکن اول توحید کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اہل حق را رمزِ توحید از بر است
در اتی الرحمٰن عبداً مضمر است

اس کا ماخذ وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ان کل من فی السموات و الارض الا اتی الرحمن عبداً

(زمین و آسمان میں جو راز ہائے سربستہ ہیں وہ خدا نے اپنے بندے پر کھول دیئے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے صراحت سے بتا دیا کہ اس نے ارض و سماوات کے تمام اسرار اپنے بندے پر کھول دیئے ہیں یہ صریح النص ہے مگر علماء دو صدیوں سے جناب رسول اکرمؐ کے علم غیب کلی و جزئی کے مسئلہ پر جھگڑتے چلے آ رہے ہیں۔ بندگانِ خدا پر یہ راز اس لیے وا کیے جاتے ہیں کہ ان کا عمل ان کے عمل کا امتحان ہو سکے۔

تاز اسرار تو بنماید ترا
امتحانش از عمل باید ترا

توحید دین و آئین، حکمت و دانش اور قوت و سلطنت کی حاصل ہے۔

ولایت ، پادشاہی ، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتہء ایماں کی تفسیریں
دیں ازو حکمت ازو ، آئیں ازو
زور ازو ، قوت ازو ، تمکیں ازو

عالموں کے لیے یہ مقام حیرت ہے مگر عاشقوں کے حق میں پیغام عمل ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

عالماں را جلوہ اش حیرت پدید
عاشقاں رابر عمل قدرت پدید

یہ وہم وگمان اور خوف وشک کے لیے موت کا باعث بنتی ہے اور ایمان ویقین کے لیے یہ قوت عمل پر مستعدی اور آمادگی پیدا کر دیتی ہے۔ توحید کے سائے میں پست بالا ہو جاتا ہے اور خاک اکسیر بن جاتی ہے۔ توحید کی قدرت وقوت بندے کو مولا کر دیتی ہے۔ اس کی رگوں میں خون بجلی سے زیادہ گرم اور تیز تر ہو جاتا ہے اور راہِ حق میں اس کی تگ ودو تیز تر ہو جاتی ہے۔ اس قوت سے بندۂ مومن کی آنکھ پر ضمیر کائنات بے نقاب ہو جاتا ہے۔ ایمان محکم تر ہوتا ہے اور بندۂ مون طاقتور ہو جاتا ہے اس کا کاسۂ گدائی جامِ جم بن جاتا ہے۔

پست اندر سایہ اش گرد و بلند
خاک چوں اکسیر گرد د ارجمند
قدرتِ او بر گزیند بندہ را
نوعِ دیگر آفریند بندہ را
در رہِ حق تیز تر گرد دتگش
گرم تراز برق خوں اندررگش
بیم و شک میرد عمل گیرد حیات
چشم می بیند ضمیر کائنات
چوں مقام عبدہ ، محکم شود
کاسۂ در یوزہ جام جم شود

Marfat.com
Marfat.com

باب چہارم

عشق

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرورِ انجمن عشق
کبھی سرمایہء محراب و منبر
کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

Marfat.com
Marfat.com

عشق

ہم نے مطالعہ اقبال سے اب تک ان حقائق کو معلوم کر کے دلائل کے ذریعے واضح کیا ہے کہ فقر تکمیل خودی کا ثمرہ مقام نیابت الہیہ ہے۔ شان فقر مولا صفاتی اور صبغۃ اللہ یعنی اللہ کا رنگ ہے۔

فقر توحید کا مترادف اور اسلام کا دوسرا نام ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی سامنے آئی کہ فقر کا رنگ جو نہایت مومن اور کمال خودی ہے بندہ مومن میں عشق سے پیدا ہوتا ہے۔

اسی لئے اقبال کی شاعری کے اہم ترین موضوعات میں سے جہاں فقر ان کا مدعائے کلام ہے وہاں عشق بھی ان کا خاص موضوعِ سخن ہے۔

عشق کیا ہے۔

اس موضوع پر آج تک جس قدر لکھا جا چکا ہے شاید ہی کسی اور موضوع پر اسقدر لکھا گیا ہو۔ یہ کم از کم ہر شاعر کا موضوعِ سخن ضرور رہا ہے۔ عدمؔ نے ایک سیدھی سی تعریف عشق کی یوں کی ہے کہ

عشق کیا ہے خلوص نیت سے
جانثارِ حبیب ہو جانا

خلوص دل سے جانثارِ حبیب ہو جانے کا یہ عمل اپنے اندر عظمتوں اور رفعتوں کے ان گنت جہان آباد رکھتا ہے۔ اس کی حقیقی عظمتوں کا احوال عقل عیار کی پہنچ سے بہت ماورا ہے۔ دل پر درد کی لامتناہی وسعتیں ہی اسے اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہیں۔

اقبال نے اپنے مرشد مولائے روم سے مسلکِ عشق سیکھا، اختیار کیا اور پھر اس کی ترویج و اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ اہل عشق کے نزدیک انسان کا مقصد تخلیق ''محبت'' ہے اور اس کے نام کا مطلب اہل محبت ہے۔ لفظ انسان کے لغوی مفہوم پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان ''انس'' یا ''نسیان'' سے مشتق ہے۔ علمائے لغت کا خیال ہے کہ انسان یا تو اُنسان ہے۔ دو اُنس رکھنے والا ایک عالم آخرت کا دوسرا عالم دنیا کا۔ یا یہ نسیان سے مشتق ہے۔ انس کے معنیٰ تو ظاہر ہیں پیار و محبت ''نسیان'' بھول جانے کو کہتے ہیں علماء تحقیق نے نسیان کی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

ایک نسیان تو وہ ہے جو کثرت گناہ سے لاحق ہوتا ہے اور حضوری قلب کو مانع ہے جیسا کہ ایک طالبعلم نے امام وکیعؒ سے شکایت کی کہ اسے نسیان لاحق ہو گیا ہے وہ سبق بھول جاتا ہے امامؒ نے فرمایا گناہ ترک کر دو کیونکہ علم

Marfat.com
Marfat.com

اللہ کا نور ہے جو گنہ گار کو عطا نہیں ہوتا۔

شکوت الیٰ و کیع سُوءَ حفظی فَاوصانی الیٰ ترکِ المعاصی

لا ن العلم نور '' مِن اِلہ و نور اللہ لا یعطی لعاصی

دوسرا نسیان لذت آشنائی کا عطا کردہ اور حضوری قلب سے پیدا ہوتا ہے ایسا نسیان جو اللہ کی محبت میں ماسوی اللہ کو بھول جانے کا نام ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی!

اس کی کامل ترین مثال قرآن حکیم میں پیش کی گئی ہے۔

وَوَجدکَ ضالاً فَھدیٰ

اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا منزل مقصود تک پہنچا دیا اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کریم ﷺ سے مخاطب ہو کر یہ فرما رہا ہے۔

کہ اے حبیب جب میں نے آپ کو اپنی (اللہ کی) محبت میں خود رفتہ (خود کو بھولا ہوا) پایا تو میں نے آپ کو منزل مقصود (اللہ) تک پہنچا دیا۔

لفظ ''ضال'' عربی لغت کے اعتبار سے متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے ان میں سے ایک معنی وفور محبت سے محبوب کے علاوہ ہر شے کو بھول جانا بھی ہے۔

اور یہی مفہوم نسیان کا بھی ہے۔

مرشد رومی فرماتے ہیں کہ عشق وہ شعلہ ہے کہ جب بھڑکتا ہے تو معشوق کے علاوہ ہر شے کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ جب وہ تیغ لا الہ کی ضرب کاری سے غیر حق کو فنا کر دیتا ہے تو پھر باقی کیا رہ جاتا ہے۔ صرف اور صرف اللہ!

عشق آں شعلہ است کو چوں برفروخت
ہر چہ مشوق باقی جملہ سوخت
تیغ لا در قتل غیر حق براند
درنگر زاں کہ بعد لاچہ ماند
ماند الا اللہ باقی جملہ رفت
شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت

Marfat.com
Marfat.com

اقبال کا مسلک اپنے مرشد کامل مولانا روم کی رہنمائی میں یہ ہے کہ

زیر کی بفروش و حیرانی بخیر
زیر کی ظن است و حیرانی نظر

کلام اقبال میں شوق وجنوں، قلب ونظر، دل ونگار، سوز ودرد، جذبِ دروں، ذکر رقص جاں، حیرانی و آشنائی، شبیرؓ ومسیح وکلیمؑ، رومیؒ عطار عشق کے استعارے ہیں۔ یہ وہ اصطلاحیں ہیں جو عشق کی ترجمان بھی ہیں اور فقر کی نمایاں صفات بھی۔

عشق آدم سے ہے اور آدم عشق سے ہے۔ عشق وہ دروازہ ہے جس سے گزرے بنا آدمی انسان بن سکتا ہے نہ مسلمان ہوسکتا ہے۔

مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را نا ممکنِ ما ممکن است

بلکہ اقبال تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ

اگر ہے عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

عشق رانا ممکن ما ممکن است، جس کے قلب وجگر میں درد کی ٹیس اور آنکھوں میں نمی نہیں اسے انسانیت سے کوئی واسطہ نہیں ہے انسانیت کا مفہوم تمام سوز وگداز اور درد وشوق ہے شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا اتنا آسان نہیں اس آتشکدے میں وہی قدم رکھ سکتا ہے۔ جس میں اسقدر ہمت ہو کہ اپنا دل آتشِ عشق کی نذر کرے اور ساتھ ہی خود اپنے دامن سے ہوا دیتا جائے۔

محروم عشق کو کباب دل میسر نہیں آسکتا۔ یہ نوالہ تو اسی جوان مرد کا مقدر ہے
جو خود کو بھڑکتے ہوئے شعلوں کا مہمان کر سکے

افسردہ را نصیب نبا شد دل کباب
آں یا بدایں نوالہ کہ مہمانِ آتش است

عشق الٰہی بندہ حق کی متاعِ زندگی اور جانِ ایمان ہے

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

عشق الٰہی کی شرطِ اول ماسوا سے بے نیازی ہے۔ انسان اپنی آب وگل کے تقاضوں کے سبب ماسوئی کے

Marfat.com
Marfat.com

چنگل سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک اس کے دل پر درد کی چوٹ نہ لگے۔

عاشق صادق اپنی جان اور سارے جہان سے بے نیاز ہوتا ہے۔ جان اور جاناں دونوں کو ایک ساتھ محبوب رکھنا عاشقوں کا شیوہ نہیں۔

رسم عاشق نیست یک دل دو دلبر داشتین
یاز جاناں یاز جاں بائست دلبر داشتن

اسی دردِ عشق کے ایک ذرہ کے لیے مرشد شیخ فرالدین عطارؒ جیسے عارف باللہ بے قرار دکھائی دیتے ہیں

کفر کافر رادیں دیندار را
ذرہ دردِ دل عطاررا

اور اسی عشق کا ایک ذرہ اقبال کی دعاؤں کا مرکز و منتہیٰ ہے۔

ذرہ عشق نبیؐ از حق طلب
سوز صدیقؓ و علیؓ از حق طلب

اقبال کے نزدیک عشق ایک زبردست قوتِ عمل اور جوش انقلاب کا نام ہے جو ناموافق اور نامساعد زمانے کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھال لے

بازیاب ایں نکتہ را اے نکتہ رس
عشق مرداں ضبط احوال است بست
گفتند جہانِ ما آیا بتومی سازد
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن

اقبال عشق شور انگیز کو صبح قیامت قرار دیتے ہیں

درحقیقت عشق قرب وصال الٰہی کا تقاضا کرتا ہے جو بغیر تسخیر موجودات ممکن نہیں

جب بندہ حق حق تعالیٰ کا قرب و وصال چاہتا ہے اور حق تعالیٰ کون ہے

اللہ نور السمٰوٰت والارض
اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے

اقبال کہتے ہیں کہ جو قرب الٰہی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ کائنات کو تسخیر کرے اور بوبگلاب اندر کا مصداق بن جائے۔

Marfat.com
Marfat.com

بے دردِ جہانگیری ایں قرب میسر نیت
گلشن بگریباں کش اے بو بگلاب اندر

بغیر دردِ جہانگیری کے قرب الٰہی نصیب نہیں ہوتا گلشن عالم کو اپنے گریبان میں سمیٹ لے تا کہ وہ تجھ میں ہو اور تو اس میں جیسے خوشبو گلاب میں اور گلاب خوشبو میں ہوتا ہے۔

اقبال کے نزدیک عاشق وہ نہیں جو سرگرم فغاں ہو بلکہ عاشق وہ ہے جو دونوں جہاں اپنے کفِ دستِ پر اٹھائے رکھتا ہو۔ عاشق اپنا جہاں خود تعمیر کرتا ہے۔ اس کا جہاں بیکراں ہوتا ہے۔ یہ جہانِ حدود و ثغور اس کے سودائے عشق کے شایاں نہیں ؎

عاشق آں نیست کہ لب گرم فغانے دارد
عاشق آنست کہ برکف دو جہانے دارد
عاشق آں نیست کہ تعمیر کند عالمِ خویش
در نسازد بہ جہانے کہ کرانے دارد

سودائے عشق اس کائنات کی وسعتوں میں نہیں سما سکتا۔

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا

اقبال نے عشق کو عقل و دل و نگاہ کا مرشد قرار دیا ہے ؎

عقل و دل و نگاہ کا مرشد اولیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدہ تصورات

اقبال کے نزدیک عشق کے بغیر زندگی سراپا ماتم اور کاروبارِ حیات خراب و خام ہے ؎

پھر فرماتے ہیں ؎

بے محبت زندگی ماتم ہمہ
کاروبارش زشت و نا محکم ہمہ

صدق خلیلؑ بھی ہے عشق صبر حسینؓ بھی ہے عشق
معرکہ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

اقبال قوت عشق کو حق کا نشان نصرت سمجھتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

تازہ مرے وجود ہیں معرکہ کہن ہو
عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بو لہب

جاوید نامہ کے آخری حصہ میں سخنے بہ نژادِ نو کے عنوان سے اقبال نے نوجوانانِ ملت کو مخاطب کیا ہے اور انہیں مسلک عشق اختیار کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

یہاں اقبال عشق کو رقصِ جاں کی اصطلاح سے تعبیر کرتے ہیں اور اسے سرِ دینِ مصطفیٰ ﷺ قرار دیتے ہیں۔

اے مرا تسکین جانِ ناشکیب
تو اگر از رقص جان گیری نصیب
سر دینِ مصطفیٰ ﷺ گو بم ترا
ہم بقبر اندر دعا گو یم ترا

رقص جاں عشق الٰہی میں روح کے وجد و حال کا نام ہے۔

اقبال رقص جاں اور رقص تن کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جسم کا رقص تو محض خاک کو گردش میں لاتا ہے مگر رقص جاں افلاک میں ہنگامہ بپا کر دیتا ہے رقص جاں سے علم اور حکومت ہاتھ آتے ہیں اور اس کے فیضان سے زمین و آسمان مسخر ہو جاتے ہیں۔ رقصِ جاں فرد کو حامل جذبِ کلیم اور ملت کو وارث ملک عظیم بنا دیتا ہے لیکن یہ رقص سیکھنا بڑا کام ہے جس کے ذریعے باطل جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔

غیر حق کو جلا کے راکھ کر دینا عاشق مردوں کا کام ہے۔

رقص تن در گردش آرد خاک را
رقص جاں برہم زند افلاک را
علم و حکم از رقص جاں آید بدست
ہم زمیں ہم آسماں آید بدست
فرد از وے صاحب جذب کلیم
ملت ازوے وارثِ ملک عظیم
رقص جاں آموختن کار بے بود
غیر حق راسوختن کار ے بود

ضربِ کلیم میں رقص کے عنوان سے رقص بدن اور رقص جاں میں فرق اسطرح بیان کرتے ہیں

Marfat.com
Marfat.com

چھوڑ یورپ کے لئے رقص بدن کے خم و پیچ
روح کے رقص میں ہے ضرب کلیم الٰہی
صلہ اس رقص کا ہے تشنگی کام و دہن
صلہ اس رقص کا درویشی و شہنشاہی

رقص جاں کا صلہ درویشی وشہنشاہی ہے گویا رقص جاں کے نتیجہ میں مقام فقر حاصل ہوتا ہے۔
ایک مقام پر اقبال کو عشق کا مترادف قرار دیتے ہیں۔
اپنی ایک نظم میں وہ علم وفقر کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

علم کا مقصود ہے پاکی عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفتِ قلب و نگاہ
علم فقیہ وحکیم ، فقر مسیحؑ و کلیمؑ
علم ہے جو یائے راہ ، فقر ہے دانا ے دارہ
فقر مقام نظر ، علم مقامِ خبر
فقر میں مستی ثواب ، علم میں مستی گناہ

علم کا موجود اور فقر کا موجود اور

اشھد ان لا الہ

اشھد ان لا الہ

ان اشعار سے یہ واضح ہوتا ہے کہ فقر عشق کا مترادف ہے اقبال اسے کہیں مسیحؑ وکلیمؑ کہتے ہیں۔
کہیں دانائے راہ اور کہیں مقامِ نظر قرار دیتے ہیں۔
ایک مقام پر فقر کی تلوار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

قبضے میں یہ تلوار بھی آجائے تو مومن
یا خالدؓ جانباز ہے یا حیدرؓ کرار

اسی فقر کی تلوار کو اقبال عشق کی تیغِ جگردار قرار دیتے ہیں۔

عشق کی تیغ جگردار اڑا لی کس نے
عقل کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی

اور کہیں اسے قل ہواللہ کی شمشیر کہتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

میں نے اے میر سپہ تیری سپاہ دیکھی ہے
قل ہو اللہ کی شمشیر سے خالی ہے نیام

حقیقت یہ ہے کہ اقبال کی نظر میں فقر اور توحید ایک ہی قوت کے دو مختلف نام ہیں جو عشق الٰہی سے عبارت ہیں۔

عشق کے ہیں معجزات سلطنتِ فقر و دیں
عشق کے ادنیٰ غلام صاحب تاج و نگیں
عشق مکاں و مکیں عشق زماں و زمیں
عشق سراپا یقیں اور یقیں فتح باب

Marfat.com
Marfat.com

فقر و رہبانی

زندگی ہمہ پیکار ہمہ تسخیر ہے۔اس رزم گاہِ حیات میں گوشہ عافیت تلاش کرنے والوں کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔اقبال کے نزدیک وہ فقر جو انقلاب آفریں نہیں کسی کام کا نہیں۔

اقبال کہتے ہیں کہ بندہ حق کے دل پر حق تعالیٰ کی محبت کا جو نقش ثبت ہوا سے باہر کے جہاں پر بھی مرتسم ہونا چاہیے تا کہ جمال حق کے جلوے اہلِ جہاں کے لئے عام ہو جائیں۔

نقش حق اول بجاں اندا ختن
باز اور اور جہاں انداختن
نقشِ جاں تادر جہاں گرد دتمام
می شود دیدارِ حق دیدارِ عام

ہمارے ہاں ایک عرصہ سے جو تصور فقر کارفرما ہے اقبال کا تصورِ فقر اس سے یکسر مختلف و متضاد ہے۔مروجہ تصور کے مطابق فقر یہ ہے کہ صاحب فقر کار جہاں سے یکسر دست بردار ہو کر اور دولت و حشمت و جاہ سے اپنا دامن بچا کر گوشہ عزلت اختیار کر لے۔

یہ تصور فقر رہبانیت سے مستعار لیا گیا ہے۔

جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔حضور سید عرب و عجم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے

لا رھبانیۃ فی الاِسلام

اسلام نے اسلامی قرآنی فقر کا تصور ہمارے ذہنوں میں اجاگر کرنے کی کوشش کی ان کے نزدیک فقر درحقیقت غنائے نفس کا نام ہے۔فقیر قبائے خسروی میں درویشانہ زندگی گزارتا ہے اور دیدہ بیدار و خدا اندیش ہوتا ہے

در قبائے خسروی درویش زی
دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

اقبال کے نزدیک فقر و راہبی دونوں متضاد ہیں۔

کچھ اور چیز ہے شاید تری مسلمانی
تری نگاہ میں ہے ایک فقر و رہبانی
سکون پرستی راہب سے فقر ہے بیزار
فقیر کا ہے سفینہ ہمیشہ طوفانی

Marfat.com
Marfat.com

پسندر وح و بدن کی ہے وانمود اس کو
کہ ہے نہایت مومن خودی کی عریانی
وجود صیرفی کائنات ہے اس کا
اسے خبر ہے یہ باقی ہے اور وہ فانی
یہ فقر مرد مسلماں نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولت سلمانی و سلیمانی !

بال جبریل میں رہبانی فقر اور حجازی فقر میں اس طرح فرق و امتیاز قائم کرتے ہیں۔

اک فقر سکھاتا ہے صیاد کو نخچیری
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرار جہانگیری
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری
اک فقر سے مٹی میں خاصیت اکسیری

اسی رہبانی فقر کے سبب وہ بندہ مومن نباتات و جمادات کی طرح تقدیر کا پابند ہو کر بے عمل ہو گیا۔ جو فقر غیور کے فیض سے خود آپ تقدیر الٰہی بن سکتا تھا۔

اسی قرآں میں ہے اب ترک جہاں کی تعلیم
جس نے مومن کو بنایا سہ و پر ویں کا امیر
تن بہ تقدیر ہے آج ان کے عمل کے انداز
تھی نہاں جن کے ارادوں میں خدا کی تقدیر

رہبائیت اپنی ذات کے انکار کا نام ہے مگر فقرِ غیور کی بنیاد ہی عرفانِ ذاتِ خویش ہے اقبال کے نزدیک اپنی ذات کا منکر خدا کے منکر سے بڑھ کر کافر ہے۔

منکر حق نزد ملا کافر است
منکر خود نزد من کافر تر است

اسی لئے اقبال کہتے ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اے انسان تو شجر سدرہ المنتہیٰ کی شاخِ تر و تازہ ہے چمن کا خار و خس مت بن تو اگر خدا کا منکر بھی ہے تو اپنا

Marfat.com
Marfat.com

منکر نہ بن ۔

شاخِ نہال سدرہ خاروخس چمن مشو
منکر اور اگر شدی منکرِ خویشتن مشو

ہمارے ہاں مسکینی وسربزیری، دیوانگی وعریانی، بھوک پیاس، رقص وغیرہ کولوازمات فقر سمجھا جاتا ہے لیکن اقبال کے نزدیک ایسا فقر جوانسان کواپنے مقام سے گرادے ہرگز محمود نہیں وہ اس فقر غیور کے اسرار کھولتے ہیں جو محسود امیری ہے ۔

زرومی گیر اسرارِ فقیری
کہ آں فقراست محسودِ امیری
حذر زاں فقر و درویش کہ ازوے
رسیدی برمقام سر بزیری

اقبال اس فقر سے بچنے کی تلقیں کرتے ہیں جوانسان کوعریانی دیتا ہے وہ فقیر جو اقبال کا ممدوح ہے وہ اپنے اہل کوقوت وشوکت اور سلطنت وحکومت عطا کرتا ہے۔ وہ فقیر جو اپنے لباس سے بے نیاز عریاں حالت میں سرعام گھومتے دکھائی دیتے ہیں ان کا اس فقیر سے کوئی واسطہ نہیں ہے ۔

بگذر فقرے کہ عریانی دہد
اے خنک فقہرے کہ سلطانی دید

سلطانی عطا کرنے والے فقرِ اور رہبانی فقر میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

فقر جوع و رقص و عریانی کُجاست
فقر سلطانی است ، رہبانی کجاست

دور حاضر کا فقر ظاہری فقر ہے اسے حجازی اور قرآنی فقر کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ۔

میں ایسے فقر سے اے اہل حلقہ باز آیا
تمہارا فقر ہے بے دولتی و رنجوری

اقبال رہبانیت کومرنے والی قوموں کا عالم پیری قرار دیتے ہیں اور مسلمانوں کوخبردار کرتے ہیں

ترے دین و ادب سے آرہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری !

مریدِ ہندیؒ مرشدِ رومیؒ سے غایتِ دین دریافت کرتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

کاروبارِ خسروی یا راہبی
کیا ہے آخر غایتِ دین نبی

پیر رومیؒ جواب میں فرماتے ہیں کہ دین اسلام کی غرض و غایت تو جنگ و شکوہ قوت اور سلطنت ہے رہبانیت تو نصاریٰ کا دین ہے ۔

مصلحت در دین ما جنگ و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار و کوہ

اقبال کے نزدیک دین محض عقاید و عبادات کے مجموعے کا نام نہیں بلکہ دین ایک زندہ قوت کا نام ہے جو حاملِ دین کو غلبہ بحر و بر عطا کرتی ہے۔

اسلام ایک جہاد مسلسل ہے جو اپنے ماننے والوں کو قوت و شوکت کا پیغام دیتا ہے۔

اقبال قوت عمل سے ہی رائے کو مکر و فسوں قرار دیتے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ قوتِ بے رائے کے بھی خلاف ہیں اور اسے جہالت اور جنون قرار دیتے ہیں ۔

رائے بے قوت ہمہ مکر و فسوں
قوتِ بے رائے جہل است و جنوں !

اقبال نے جس انداز میں طاقت کی تعریف اور ضعیفی و کمزوری کی خامیاں بیان کی ہیں اس سے بعض نقادوں نے ان پر قوت پرست ہونے کا الزام لگایا ہے۔ لیکن یہ بات واضح رہے کہ اقبال محض اسی قوت کے مداح ہیں جو حق و صداقت کی سربلندی کا ساز و سامان بنتی ہے۔ ضرب کلیم میں قوت کے بارے میں قوت اور دین کے عنوان سے فرماتے ہیں ۔

لادین ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاک

نبوت کے عنوان سے ضرب کلیم میں فرماتے ہیں :۔

میں نہ عارف نہ مجدد نہ محدث نہ فقیہ۔ مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں مگر عالم اسلام پہ رکھتا ہوں نظر
فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام
عصر حاضر کی شب تار میں دیکھی میں نے
یہ حقیقت کہ ہے روشن صفت ماہ تمام

Marfat.com
Marfat.com

وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام

اصلاح وانقلاب کا ہر عمل قوت کا متقاضی ہوتا ہے خواہ روحانی ہو یا سلطانی

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد !

ہماری بدبختی کہ دین ملوک کے پرستاروں نے اس توحید کو جو کبھی ایک زندہ قوت ہوا کرتی تھی فقط ایک مسئلہ علم کلام بنا کر رکھ دیا دین قوت کے بغیر محض ایک فلسفہ اور مجموعہ افکار بن کر رہ گیا۔ اور ہم اپنی بے عملی اور ذوق تن آسانی کے سبب بے ہمت و بے کار اور زار و نزار ہو کر رہ گئے ہیں اگرچہ ہماری سوچیں آسمانوں سے بھی بلند ہیں۔

مرید ہندی اپنے پیر و مرشد رومی کے حضور اپنا مقدمہ عرض کرتے ہیں ؎

آسمانوں پر مرا فکر بلند
میں زمیں پر خوار وزار و درد مند
کارِ دنیا میں رہا جاتا ہوں میں
ٹھوکریں اس راہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں مرے بس کا نہیں کارِ زمیں
ابلہِ دنیا ہے کیوں دانائے دیں

پیر رومیؒ جواب دیتے ہیں کہ جس کی برق رفتار آسمانوں پر گزر رکھتی ہو اسے زمیں پر چلنا کیا دشوار ہے ؎

آں کہ بر افلاک رفتارش بود
بر زمیں رفتن چہ دشوارش بود

ہماری بدبختی کہ دین ملوک کے پرستاروں نے اس توحید کو جو کبھی ایک زندہ قوت ہوا کرتی تھی فقط ایک مسئلہ علم کلام بنا کر رکھ دیا دین قوت کے بغیر محض ایک فلسفہ اور مجموعہ افکار بن کر رہ گیا۔

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

حقیقت یہ ہے کہ بندہ مومن اپنی میراثِ ایمان ''فقر'' کھو کر خوار و زبوں ہے اگر وہ اپنی اس گم شتہ میراث کو دوبارہ حاصل کر لے تو عظمتِ رفتہ کو بھی بازیاب کر لے گا۔ وہ میراث گمگشتہ کیا ہے۔ مرید ہندیؒ پیر رومیؒ سے سوال کرتا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

علم و حکمت کا ملے کیوں کر سراغ
کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ
پیرو مرشد جواب دیتے ہیں
کہ کارزار دینا میں فتح یاب ہونے کے لیے

اگر تم اپنی میراث گم گشتہ کا حصول چاہتے ہو تو سن لو کہ علم و حکمت نان حلال سے پیدا ہوتے ہیں اور دلوں کے عشق و رقت بھی رزق حلال سے حاصل ہوتے ہیں

علم و حکمت زاید از نان حلال
عشق و رقت آیداز نان حلال

میراث مسلمانی جسے اقبال نے سرمایہ شبیری قرار دیا ہے۔ علم و عشق سے عبارت ہے اسے مرشد رومی نے کار مرداں قرار دیا ہے۔ اور اس کے متضاد حیلہ و بے شرمی کو پست ہمتوں اور کمینوں کا کام بتلا دیا ہے۔

کار مرداں روشنی و گرمی است
کار دوناں حیلہ و بے شرمی است

اقبال اسی روشنی و گرمی کو ذکر و فکر سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور انہیں فقر و توحید کی اصل قرار دیتے ہیں۔

"پس چہ باید کرد میں" لا الہ الا اللہ کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں کہ

میں نے اپنے عہد کے لوگوں سے یہ جو دو حرف لا الہ بیان کئے ہیں گویا دو سمندروں کو برتنوں میں بند کر دیا ہے۔ ان پیچا پیچ و نیش دار حرفوں کی اصل ذکر و فکر سے ہے۔

اے مرد مسلمان کاش تو اس سرمایہ ایمان (ذکر و فکر) کا وارث ہو۔ میرے خیالات و افکار کی آبجو انہی دو سمندروں سے فیضیاب ہے اور یہی میری زندگی کا حاصل ہے

من بطبع عصر خود گفتم دو حرف
کردہ ام بحرین را اندر دو ظرف
حرف پیچا پیچ حرف نیش دار
تا کنم عقل و دل مرداں شکار
اصل ایں از ذکر، اصل آں ز فکر
اے تو بادا وارث ایں فکر و ذکر
آبجو یم از دو بحر اصل من است

Marfat.com
Marfat.com

فصلِ من فصل است ہم وصلِ من است

ذکر و فکر کو اقبال سالک راہ حق کی جستجو کے مقام قرار دیتے ہیں۔

یہ ہیں سب ایک ہی سالک کی جستجو کے مقام
وہ جس کی شان میں آیا ہے علم الا سماء

مقام ذکر کمالاتِ رومی و عطار
مقام فکر مقالات بوعلی سینا
مقام فکر سے پیمائش زمان ومکاں
مقام ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

اسی ذکر و فکر کو اقبال نے مسلمان کی زندگی قرار دیا ہے۔

بتاؤں کیا کہ مسلماں کی زندگی کیا ہے
یہ ہے نہایت اندیشہ و کمال جنون

اور اسی ذکر و فکر کے احتلاط کو فقرِ قرآن کا نام دیا گیا۔

فقر قرآں اختلاطِ ذکر و فکر
فکر را کامل ندیدم جز بذکر

غایت دین مین میراثِ مسلمانی فقر ہی اصل شہنشاہی ہے جسے اقبال نے خودی کی عریانی قرار دیا ہے۔

رمزِ دین مصطفیٰ دانی کہ چیست
فاش دیدن خویش راشاہنشی است
خودی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہ فقیر
مقام فقر سے کتنا بلند شاہی سے
روشن کسی کی گدایا نہ ہو تو کیا کہیے

سلطنت و تاج و سریر و سیاہ فقر کی عطا ہیں۔

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سیاہ
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ

Marfat.com
Marfat.com

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری
آہ کہ کھویا گیا ہے تجھ سے فقیری کا راز
ورنہ ہے مال فقیر سلطنت روم وشام

اقبال کے نزدیک سلطانی خودی کی قاہری کا نام ہے جو مقام جبر وقہر نہیں بلکہ عشق و مستی کا مقام ہے۔

کسے خبر کہ ہزاروں مقام رکھتا ہے
وہ فقر جس میں ہے بے پردہ روح قرآنی
خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی
یہی مقام ہے کہتے ہیں جس کو سلطانی
یہی مقام ہے مومن کی قوتوں کا عیار
اسی مقام سے آدم ہے ظل سبحانی !
یہ جبر و قہر نہیں ہے یہ عشق و مستی ہے
کہ جبر و قہر سے ممکن نہیں جہانبانی
کیا گیا ہے غلامی میں مبتلا تجھ کو
کہ تجھ سے ہو نہ سکی فقر کی نگہبانی

اقبال نے شہنشاہی کی تعریف اسطرح بھی کی ہے۔

دنیا ہے روایاتی عقبیٰ ہے مناجاتی
..باز دوعالم را ایں است شہنشاہی
محرم خودی سے جس دم ہوا فقر
تو بھی شہنشاہ میں بھی شہنشاہ
چوں بکمال می رسد فقر دلیل خسروی است
مسند کیقباد را در تر بوریا طلب

جہاں گیری اور جہاں بانی تقاضائے دین مبین ہے لیکن شاہان اسلام کا فر شاہنشاہی زیر کلیم قلندری ہوتا ہے ان کی شان امارت میں الفقر فخری کا سماں ہوتا ہے اور ان کے لئے فقر قرآن ہی سامان کلیمی ہوتا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

مرا با فقر سامانِ کلیم است
فرِ شاہنشہی زیرِ گلیم است

سماں "الفقر" فخری کا رہا شانِ امارت میں
بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرانشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں داد و جہانبان و جہاں آرا

اقبال ہر میر و سلطان اور قوت و سطوت کے ہر پیکر کو فقر کا مظہر نہیں سمجھتے بلکہ انہوں نے صرف فقر قرآنی کو ہی شہنشاہی قرار دیا ہے اور ان کے نزدیک ضیغمی اور سلطانی بغیر فقر قرآنی روباہی ہے۔

جز بقرآں ضیغمی روباہی است
فقر قرآں اصلِ شاہنشاہی است

اقبال نے ایسی سلطانی کو چنگیزی کا نام دیا ہے خواہ وہ کسی رنگ میں بھی رونما ہو۔

مجلس ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جسکی نظر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

اسرار خودی میں اقبال نے اس حقیقت کی وضاحت کی ہے کہ جنگ و شکوہ دین اسلام کی مصلحت اور اعلائے کلمہ الحق ہے لیکن اگر جنگ کا محرک اور سلطانی کا مطمح نظر جوع الارض ہو تو وہ مسلمان کے لئے حرام ہے۔

اقبال کہتے ہیں مسلمان فرمانروا کو قبائے خسروی میں بھی درویشانہ زندگی بسر کرنی چاہیے اور اسے دیدہ بیدار و خدا اندیش ہونا چاہیے۔ اس کے ہر عمل کے مقصود قرب الٰہی کا حصول ہونا چاہیے تا کہ اس کی سلطانی سے جلال حق آشکارا ہو۔

در قبائے خسروی درویش زی
دیدہ بیدار و خدا اندیش زی
قرب حق از ہر عمل مقصود دار
تاز تو گردد جلالش آشکار!

وہ جنگ سراپا خیر ہے جس کا مقصود حق ہے اور وہ صلح سراپا شر ہے جس کا مقصد غیر حق ہے۔ اگر ہماری تلوار

Marfat.com
Marfat.com

ے حق سر بلند نہ ہو تو جنگ قوم کے لئے سر سر نا جائز ہے اور فضول ہے۔

صلح شر گردد چو مقصود است غیر
گر خدا باشد غرض جنگ است خیر
گر نہ گردد حق ز تیغ ما بلند
جنگ باشد قوم را ننگ و گزند

اس ضمن میں اقبال نے حضرت میاں میرؒ کا ایک واقعہ نظم فرمایا ہے۔

ایک روز بادشاہ وقت (شاہجہان) حضرت میاں میر کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ حضرت دعا فرمائیں تا کہ دکن کی مہم میں کامیابی و فتح حاصل ہو جائے

حضرت میاں میر بادشاہ کی بات سن کر خاموش رہے۔ ساری محفل سراپا گوش تھی کہ دیکھیں حضرت کیا جواب ارشاد فرماتے ہیں۔

شیخ از گفتار شہ خاموش ماند
بزم درویشاں سراپا گوش ماند

کچھ دیر بعد حضرتؒ کا ایک مرید حاضر ہوا اور ایک چاندی کا سکہ آپ کے حضور پیش کرتے ہوئے عرض کی کہ حضرت میں نے سخت محنت و مشقت کے بعد یہ درہم بطور مزدوری حاصل کیا ہے۔ اسے آپ کی نذر کرتا ہوں۔

گفت ایں نذرِ حقیر از من پذیر
اے زحق آوارگاں را دستگیر
غوط بازد در خوئے محنت تنم
تا گرہ زد درمے را دامنم

یہ سن کر جناب شیخ نے فرمایا

یہ دولت ہمارے سلطان کا حق ہے وہ بادشاہ جو لباس شاہی میں گداگر ہے۔ بظاہر مہر و ماہ انجم پہ حکمران ہے مگر حقیقت میں ہمارا بادشاہ مفلس ترین آدمی ہے۔

گفت شیخ ایں زحق سلطانِ ماست
آنکہ در پیراہن شاہی گداست
حکمرانِ مہر و ماہ و انجم است
شاہ مافلس ترین مردم است

Marfat.com
Marfat.com

اگر چہ اللہ نے اسے اتنی بڑی سلطنت عطا فرمائی ہے مگر اس کے باوجود اس کی بھوک کم نہیں ہوتی وہ اردگرد کی سلطنتوں پر اپنی حریص نظریں گاڑے ہوئے ہے اور اس کی جوع الارض کی آگ نے دنیا کو جہنم از ربنا رکھا ہے۔

دیدہ بر خوانِ اجانب دوخت است
آتشِ جوعش جہانے سوخت است

اس کی تلوار انسانوں کے لئے قحط اور طاعون سے بڑھ کر ہلاکت خیز ہے اور اس کی تعمیر سے عالم ویرانہ ہو رہا ہے۔

مخلوقِ خدا اس کی جوع الارض کے آزار کے سبب فریاد کناں ہے اس کی سطوت اور شان وشوکت

اہل جہاں کی تباہی کا باعث ہے وہ خود قافلہ حیات کے لئے رہزن ہے مگر اپنی خود فریبی اور خام خیالی کے سبب اس تباہی و بربادی کو تسخیر کا نام دیتا ہے۔

قحط و طاعوں تابع شمشیر او
عالمے ویرانہ از تعمیر او
سطوتش اہل جہاں را دشمن است
نوع انساں کارواں او رہزن است
از خیالِ خود فریب و فکر خام
می کند تاراج را تسخیر نام

بھکاری کی بھوک اس کی اپنی جان کو جلانے والی ہوتی ہے مگر کسی بادشاہ کی بھوک ملک وملت دونوں کے لئے پیغام فنا ہوتی ہے۔ مسلمانو! یاد رکھو جو شخص غیر اللہ کے لئے اپنی تلوار بے نیام کرتا ہے وہ اسے درحقیقت اپنے ہی جسم میں بھونکتا ہے۔ یعنی وہ اپنی تباہی و بربادی کا سامان کرتا ہے۔

آتش جان گدا جوع گداست
جوعِ سلطان ملک و ملت رافناست
ہر کہ خنجر بہر غیر اللہ کشید
تیغ اور در سینہ او آرمید

ہمارے دین میں سروری وسلطانی کا تصور مخلوقِ خدا کی خدمت سے عبارت ہے

حضور سید عالم ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے۔ سید القوم خادمھم (قوم کا سردار قوم کا خادم ہوتا ہے)

سروری در دینِ ما خدمت گری است
عدل فاروقیؓ و فقرِ حیدریؓ است

Marfat.com
Marfat.com

اقبال نے اپنے موقف کی تائید میں ان مسلمان سلاطین کا تعارف بھی کرایا ہے جنہوں نے بادشاہی میں فقیری کی جن کی امارت اور حکمرانی ان کے فقر کو بڑھانے والی تھی وہ صاحب فقر حکمران جو اپنے پاس تلوار اور قرآن کے علاوہ کوئی ساز و سامان نہیں رکھتے تھے۔ لیکن انہیں دولت فقر حاصل تھی انہیں متاع عشق ﷺ حاصل تھی۔

اور جسے یہ متاع عظیم حاصل ہو جائے بحر و بر اس کے گوشہ دامن میں سما جاتے ہیں۔

آں مسلماناں کہ میری کردہ اند
در شہنشاہی فقیری کردہ اند
درامارت فقررا فزودہ اند
مثل سلمانؑ در مدائن بودہ اند
حکمرانے بود و سامانے نداشت
دست او جز تیغ و قرآنے نداشت
ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر در گوشہ دامان اوست

ان کے کلام میں ان صاحبان فقر کا تذکرہ جا بجا ملتا ہے جن کی زندگیاں باوصف سلطانی فقر کا نمونہ تھیں اور جن کی شان امارت میں الفقر فخری کا سماں نظر آتا تھا۔ اس ضمن میں اقبال نے کئی مسلمان سلاطین کی مثالیں بیان کی ہیں سلطان مراد کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ملت کا قائد و شہنشاہ مراد جس کی تلوار اسلام کی عظمت و سطوت کی امین تھی وہ اپنے تمام تر شاہانہ کروفر کے ساتھ ایک صاحب فقر حکمران تھا۔ گویا حضرت ابوذرؓ کی روح اردشیر کے پیکر میں۔ اس کا جسم زرہ میں ڈوبا ہوا اور دل فقر میں غرق تھا۔

قائد ملت شہنشاہ مراد
تیغ اور را برق و تندر خانہ زاد
ہم فقیرے ہم شہ گردوں فرے
اردشیرے باروان بوذرے
غرق بودش در زرہ بالا وَدوش
درمیان سینہ دل مویہ پوش

اقبال نے رموز بیخودی میں فقیر شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر کا ایک واقعہ نظم کیا ہے۔ اس سراپا فقر شہنشاہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

شہنشاہ عالمگیر وہ بلند مرتبہ بادشاہ جو ہمارے خانوادہ سلف کا اعتبار ان کی ساکھ ہے۔ اس کے دم سے ہندوستان میں اسلام کا بول بالا ہوا اور شرع پیغمبر کا احترام پیدا ہوا۔

وہ معرکہ کفر و دین میں ترکشِ اسلام کا آخری تیر ہے۔

شاہِ عالمگیر گردوں آستاں
اعتبارِ دو دمانِ گور گاں
پایہ اسلامیاں برتر ازو
احترامِ شرعِ پیغمبرؐ ازو
درمیانِ کار زارِ کفر و دیں
ترکشِ مار اخدنگ آخریں

الحاد کا وہ بیج جو اکبر کے فرمانے میں دین الٰہی کی صورت پھوٹا تھا۔ جب داراشکوہ کی فطرت میں نمودار ہوا اس وقت ملتِ اسلامیہ کے لئے اس فساد سے بچنے کی کوئی جگہ نہ تھی کیونکہ کسی کا سینہ نور ایمان کی شمع سے روشن نہ تھا ۔ اس نازک وقت میں خدا نے ہندوستان میں اورنگ زیب عالمگیرؒ کا انتخاب فرمایا۔ اور اس فقیرِ صاحب شمشیر کو سرمایہ دین کی حفاظت و احیاء کے لیے مامور کیا گیا۔ تا کہ وہ لوگوں کے ایمانوں کی تجدید کرے اور احیائے دین کے ذریعے روحِ ایمان کو تازہ کرے۔

حق گزید از ہند عالمگیر را
آں فقیرِ صاحبِ شمشیر را
از پے احیائے دین مامور کرد
بہر تجدید یقین مامور کرد

اس کی تیغ برق بار نے خرمنِ الحاد کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اور ہماری بزم میں دین کی شمع دوبارہ جلادی۔

برقِ تیغش خرمنِ الحاد سوخت
شمعِ دیں در محفلِ ما بر فروخت

بعض کور ذوق ہندو نواز مورخین نے داستان سرائیاں کر کے اس فقیر بادشاہ پر تنگ نظری اور تعصب کا الزام عائد کیا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ یہ لوگ اس عظیم حکمران اسلام کی وسعت ادراک کو نہیں پہچان سکے۔ اس لیے ان کو رذوقوں نے عالمگیر کی عظمت کا اعتراف نہیں کیا۔ شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ شمع توحید کا پروانہ تھا۔ اور صنم کدہ ہندوستان میں مثل براہیم تھا۔

Marfat.com
Marfat.com

کو رذوقاں داستا نہا ساختند
وسعت ادراک او خنا ختند
شعلہ توحید را پروانہ بود
چوں براہیم اندریں بتخانہ بود

وہ شہنشاہ ہند بادشاہوں کی صف میں یکتا ہے اور اس کے مرقد سے شان فقر ہویدا ہے

درصف شاہنشہاں یکتا ستے
فقر اواز تربتش پیدا ستے

ایک روز وہ زیندہ تاج سریر سپہ دار سلطنت فقر و شاہی علی الصبح جنگل کی سیر کو نکل گیا باد سحر کی کیفیت بہار سے سرخوش طائران تسبیح خواں کونواؤں سے سرمست دیکھا۔ چلتے چلتے وہ شاہ رمزآ گاہ ایک جگہ نماز ادا کرنے کے لئے رکا اور محو نماز ہو کر مجاز سے حقیقت کی طرف چلا گیا۔ اچانک جنگل کی طرف سے ایک شیر ببر نمودار ہوا جس کی دھاڑ سے زمین و آسمان لرز اٹھے۔ انسان کی بو شیر کو بادشاہ کی طرف لے آئی اور اس نے مصروف نماز شہنشاہ عالمگیر پر حملہ کر دیا بادشاہ نے بغیر دیکھے اپنا خنجر کھینچا اور غضبناک شیر کو پیٹ پھاڑ دیا۔ اس کے دل میں ذرا سا بھی خوف راہ نہ پا سکا۔ اور اس نے جنگل کے شیر کو ایک آن میں شیر قالین کر دیا۔ اور حق تعالیٰ کا وہ ناصبور بندہ پھر سوئے حق متوجہ ہوا۔ اس کی نماز با حضور فرمان پیغمبر ؐ کے مطابق اس کی معراج تھی۔ الصلوۃ معراج المومن

اس شہنشاہ فقیر کے دل میں صرف اور صرف حق تعالیٰ کا خوف تھا۔ اس لیے وہ خوف غیر اللہ سے یکسر بے نیاز تھا۔ خوف خدا ایمان کا عنوان ہے اور غیر اللہ کا خوف شرک بے ایمان ہے۔

خوف حق عنوان ایماں است و بس
خوف غیر از شرک پنہاں است و بس

اقبال فقر و سلطنت میں اسطرح امتیاز کرتے ہیں فقر کو نگاہ کی تیغ بازی اور سلطنت کو سپہ کی تیغ بازی کا نام دیا ہے لیکن دونوں کا مقصود ایک ہے اور دونوں محیط لا الہ کے گوہر ہیں

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا
خسروی شمشیرو درویشی نگہ
یہ سپہ کی تیغ بازی وہ نگہ کی تیغ بازی
ہر دو گوہر از محیط لا الہ

فقر ہی وہ اصل قوت ہے جو ایک مرد مجاہد کی ضرب کاری میں کارفرما ہوتی ہے۔ اور اسی قوت کے فیضان

Marfat.com
Marfat.com

سے اک سپاہی کی ضرب کارسیاہ انجام دیتی ہے۔

فقر جنگاہ میں بے سازو براق آتا ہے
ضرب کاری ہے اگر سینے میں ہے قلب سلیم
مٹایا قیصر و کسریٰ کے استداد کو کس نے
وہ کیا تھا زورِ حیدرؓ فقر بوذرؓ صدق سلمانیؓ

مردِ فقیر آتش است میری و قیصری خس است
فال و فر ملوک را حرفِ برہنہ بس است

مقامِ فقر شہنشاہی سے بہت بلند و برتر ہے سلطنت وشاہی تو فقر کا ایک ادنیٰ معجزہ ہے۔

نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

فقر اپنے اہل کو سروسامانِ کلیمی عطا کرتا ہے۔ شاہانہ شان وشوکت تو قلندرانِ حق کے قدموں کے نیچے ہوتی ہے۔

مرا با فقر سامان کلیم است فر شاہنشہی زیرِ گلیم است
بت جم پوشیدہ زیر بوریاست

اقبال نے اسرارِ خودی میں حضرت بوعلی قلندرؒ کا ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ ان کا ایک مرید اپنے مرشد کی پلائی ہوئی شرابِ معرفت سے سرشار بازار میں چلا جارہا تھا۔ سامنے سے علاقے کے گورنر کی سواری آرہی تھی۔ بوعلی قلندرؒ کا مرید عاملِ شہر کی جلالتِ شان سے یکسر بے نیاز عالمِ سرمستی میں سر جھکائے اپنے خیالات میں مگن چلتا جارہا تھا۔ اس نے عاملِ شہر کے چوبدار کی ہٹو بچو کی صداؤں کی مطلق پروانہ کی۔

چوبدار غرور وتکبر کے نشے میں مست تھا وہ ایک گدائے بےنوا فقیرِ راہ نشیں کی یہ گستاخی کب برداشت کرسکتا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی لاٹھی اس فقیر کے سر پر توڑ دی۔ بوعلی قلندرؒ کا فقیر آزردہ ہوکر اپنے مرشد کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور روتے ہوئے سارا ماجرا عرض کیا۔

صاحبِ فقرِ غیور بوعلی قلندرؒ جلال میں آگئے اور پہاڑ پر گرنے والی بجلی کی سی کڑک کے ساتھ اپنے خادم سے فرمایا۔ قلم کاغذ لو اور فرمان لکھو۔ اس فقیر کی طرف سے سلطانِ ہند علاؤالدین خلجی کو لکھو کہ تمہارے عامل نے میرے ایک بندہ مرید کا سر پھوڑ دیا ہے۔ گویا اس نے اپنی متاعِ جان پر دہکتے ہوئے انگارے رکھ دیئے ہیں۔ اے سلطان اپنے اس بدبخت عامل کو سزا دو ورنہ میں تمہاری سلطنت کسی دوسرے کو بخش دونگا۔

Marfat.com
Marfat.com

خامہ را برگیر و فرمان نویس
از فقیرے سوئے سلطانے نویس
بندہ ام را عاملت بر سر زدہ است
بر متاعِ جان خود اخگر زدہ است
باز گیر ایں عاملِ بد گوہرے
ورنہ بخشم ملک تو با دیگرے

بندہ حق بوعلی قلندرؒ کا یہ عتاب نامہ جب سلطان علاء الدین خلجی نے پڑھا تو اس کے بدن پر لرزہ طاری ہوگیا۔ خوف و آلام سے اس کا رنگ مثل آفتاب شام زرد و ہوگیا۔ فوراً عامل کی گرفتاری کا حکم جاری کیا اور حضرت امیر خسروؒ کو بارگاہِ قلندرؒ میں سفارش کے لیے بھیجا اور حضرت بوعلی قلندرؒ سے اسی پر اس نے معافی مانگی۔

وہ عتاب نامہ جس کے پڑھنے سے شہنشاہ وقت پر لرزہ طاری ہوگیا تھا اس کے الفاظ کچھ اس طرح تھے۔

''شحنہ دہلی را اعلام آں کہ خولجہ سرائے ۔۔۔۔ یکے از درویشاں رنجانید و عرش الرحمٰن راہ بلرزہ آورد۔ اگر او را بسزا رسانیدی بہتر، والا بجائے تو شحنہ دیگر بدہلی نشانیدہ خواہد شد''۔

ترجمہ: (دہلی کے کوتوال کو معلوم ہو کہ خولجہ سرائے (جو اس وقت پانی پت میں عامل شہر تھا) میرے ایک درویش کو رنج پہنچایا ہے جس کے سبب عرش الٰہی کانپ اٹھا ہے۔ اگر تو اسے اس جرم میں قرار واقعی سزا دے تو بہتر ورنہ تری جگہ کسی دوسرے شخص کو کوتوال مقرر کر دیا جائے گا۔)

کیا بات ہے کہ صاحب دل کی نگاہ میں
جچتی نہیں ہے سلطنت روم و شام و رے

اقبال دارائی اور اسکندری کو مقام فقر سے بہت فروتر سمجھتے ہیں۔

نگاہ فقر میں شان سکندری کیا ہے
خراج کی جو گدا ہو وہ قیصری کیا ہے

اقبال نے ہمیں فقر و شاہی کی حقیقتوں سے آگاہ کیا اور ان کے حصول کا طریقہ لکھا دیا ہے۔

حکیمی نامسلمانی خودی کی
کلیمی رمز پنہانی خودی کی
تجھے گر فقر و شاہی کا بتا دوں
غریبی میں نگہبانی خودی کی

Marfat.com
Marfat.com

دولتِ سلمانیؒ وسلمیانیؒ ہر دو فقر کا فیضان ہیں اور ؎

یہ فقر مردِ مسلماں نے کھو دیا جب سے
رہی نہ دولت عثمانیؒ و سلمانیؒ

درویش فقر حیدری و رستمی ہر دو کا مظہر ہوتا ہے وہ جہاد اکبر اور جہاد اصغر ہر دو میدانوں کا مرد ہوتا ہے۔ جہاد اکبر، جہاد بالنفس اور جہاد اصغر، جہاد بالسیف ہے۔

ایں جہاد اکبر است آں اصغر است
ہر دو کار رستم است وحیدر است

مولانا روم کی ایک شہرہ آفاق غزل کے تین قطع بند اشعار جنہیں اقبال نے اپنی مثنوی اسرار خودی کے سر نامے کے لیے منتخب کیا ان میں مولانا روم ایک پیکر جمال فقر انسان کامل کی آرزو اس طرح فرماتے ہیں۔

''کل ایک بزرگ چراغ ہاتھ میں لیے گرد شہر گھوم رہا تھا کہتا تھا کہ میں ان درندہ صفت انسان نما حیوانوں سے ملول خاطر ہوں مجھے کسی انسان کی تلاش ہے میں اپنے ست و کاہل ہمراہیوں سے دل گرفتہ ہوں مجھے کسی شیر خدا اور رستم دستاں کی تلاش ہے میں نے کہا حضرت میں نے بھی اس انسان کو بہت تلاش کیا مگر نہیں پا سکا۔ اس نے کہا ہاں مجھے اسی کی تلاش ہے جسے تو نہیں پا سکا''۔

Marfat.com
Marfat.com

فقر کی بے نیازیاں

اللہ الصمد (اللہ بے نیاز ہے) فقر چونکہ بندہ حق کی مولا صفاتی کا نام ہے اس لئے اللہ کی شان بے نیازی بندہ حق، صاحب فقر کی نمایاں ترین خصوصیت ہے۔

ہمت ہو اگر تو ڈھونڈ وہ فقر
جس فقر کی اصل ہے تجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا
اللہ کی شان بے نیازی

رموز، بیخودی کے آخر میں اقبال خلاصہ مطالب مثنویؒ کے عنوان سے سورۃ اخلاص کی تفسیر میں اللہ الصمد کے مطالب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اگر بندہ حق الصمد سے وابستگی اختیار کرے تو اسباب وعلل کی دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ بندہ حق بندہ اسباب نہیں ہوتا۔ زندگانی محض سانس کی آمد وشد کا نام نہیں

گر بہ اللہ الصمد دل بستہ
از حد اسباب بیروں جستہ
بندہ حق بندہ اسباب نیست
زندگانی گردش دو لاب نیست

غیر اللہ سے بے نیازی صاحب فقر مسلمان کی پہچان ہے مگر خلق خدا کے لئے اس کا وجود سراپا خیر ورحمت ہوتا ہے۔

مسلم استی بے نیاز از غیر شو
اہل عالم را سراپا خیر شو

غیر سے بے نیازی ایک ایسا موضوع ہے جس سے ہماری عربی فارسی اور اردو شاعری کا دامن بھرا ہوا ہے۔ سعدیؒ شیرازی فرماتے ہیں۔

مراز شکستن چناں عار ناید
کہ از دیگراں خواستن مومیائی

استعانت غیر سے جنت میں جانا دوزخ کا عذاب جھیلنے کے برابر ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

حقا کہ با عقوبتِ دوزخ برابر است
رفتن بہ پائمردی ہمسایہ در بہشت

حافظِ شیراز کے کلام میں غیر سے بے نیازی اور شانِ استغنا کے جلوے بکھرے دکھائی دیتے ہیں۔

غلام ہمتِ آنم کہ زیر چرخِ کبود
ز ہر چہ رنگ تعلق پذیرد آزاد است

کوچہ جیب کا گدا ہر دو جہاں سے بے نیاز ہوتا ہے ؎

گدائے کوئے تو از ہشت خلد مستغنی است
اسیر عشق تو از ہر دو عالم آزاد است

میں تو ان رندانِ بے سر و پا کی ہمت کا غلام ہوں کہ جن کے نگاہِ استغنا میں دونوں جہان ایک تنکے کے برابر برقیمت نہیں رکھتے۔

غلام ہمت رندانِ بے سر و پایم
کہ ہر دو کون نیرزد بہ پیش شان یک کاہ

وہ عشاق جن کے سروں میں سودائے عشق الٰہی سمایا ہو دنیا و عقبیٰ دونوں سے مستغنی ہوتے ہیں۔

سرم بدنیا و عقبیٰ فرو نمی آید
تبارک اللہ ازیں فتنہ ہا کہ در سر ماست

غالب نے اپنے انداز میں احسان غیر سے بچنے کی تعلیم دی ہے۔

دیوار بار منت مزدور سے ہے خم
اے خانماں خراب نہ احساں اٹھایئے

دل محمد کا دوہا ہے

جل میں رہ کر بھیگ مت کنول روپ سے جی
بات جو چاہیے اپنی پانی مانگ نہ پی

اقبال نے اپنا نظریہ حیات ایک شعر میں بیان کیا ہے جو معراج استغنا کا مظہر ہے فرماتے ہیں کہ مری شاخِ زندگی میں نمی مری تشنہ لبی سے ہے۔ میرے نزدیک چشمہء آبِ حیات کی تلاش کم طلبی کی دلیل ہے۔

بشاخِ زندگیء مانمے ز تشنہ لبی است
تلاش چشمہ حیواں دلیلِ کم طلبی است

Marfat.com
Marfat.com

یہ مسلک حیات انہوں نے مرشد رومی سے سیکھا ہے۔
مولانا روم مثنوی شریف میں اس مسلک حیات کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ کہ آب حیات کی تلاش ان لوگوں کو ہوتی ہے۔ جو اپنی جان کو بہت عزیز رکھتے ہیں آب حیات قبلہ، جاں دوستاں ہے مگر بندگان حق مرگ آشام ہوتے ہیں۔ ان کا دل عشق الٰہی سے زندہ ہوتا ہے وہ موت سے ترساں نہیں ہوتے بلکہ موت ان سے لرزاں ہوتی ہے۔ ان کا دل زندگی اور اس کی آب وتاب سے بے نیاز ہوتا ہے۔

آبِ حیواں قبلہ ، جاں دوستاں
زاب باشد سبز و خنداں بوستاں
مرگ آشاماں ز عشقش زندہ اند
دل زجان و آب جاں برکندہ اند

بندہ حق جسے شراب عشق الٰہی کا جام نصیب ہوتا ہے اس کی نگاہ میں آب حیات ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور وہ پکار اٹھتا ہے۔

آب عشق تو چو مارا دست داد
آب حیواں شد بہ پیش ما کساد

آبِ حیات اگر زندگی دوام عطا کرتا ہے اور قلب مردہ کو نئی زندگی دیتا ہے۔
تو بندہ حق خود آب حیات کی جان ہوتا ہے۔

زابِ حیواں ہست ہر جاں رانوی
لیک آب آبِ حیوانی توئی

وہ ہر لمحہ موت اور قیامت سے ہمکنار ہوتا ہے اور اس طرح اس کریم کی عظمتوں اور قدرتوں سے آشنا ہوتا ہے اور اس کا قرب حاصل کرتا ہے۔ وہ کشتہ ، جمال حبیب ہوتا ہے اور جمال حبیب کے شیروں کے لیے غیب سے ہر لمحہ نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔
بندہ حق کا مرنا نیند کی طرح ہوتا ہے وہ اس اعتماد سے سو جاتا ہے کہ اسے دوبارہ اٹھایا جائے گا

ہر دمے مرگے و حشرے دادیم
تا بدیدم دستبرداں کریم
ہمچو خفتن گشت ایں مردن مرا
زاعتماد بعث کردن اے خدا

Marfat.com
Marfat.com

فقرِ غیور

غیر سے بے نیازی فقر کا خاصہ ہے اور سوالِ غیر فقر کے حق میں زہر ہے اسی لئے سید عالم ﷺ نے سوال کرنے کی ممانعت فرمائی۔ اور اپنے غلاموں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ کسی سے سوال نہیں کریں گے۔ حضور کے غلاموں کو اپنے آقا و مولاؐ کے اس فرمانِ گرامی کا اس قدر پاس تھا کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا چابک بحالت سواری اشتر زمین پر گر پڑا تو آپ اسے اٹھانے کے لئے خود اونٹ سے نیچے اتر آئے اور سوال کر کے کسی کے شرمندہ احساں نہ ہوئے

خود فرو آ از شتر مثلِ عمر
الحذر از منتِ غیر الحذر

رموز بیخودی میں تفسیر سورۃ اخلاص کے ضمن میں اللہ الصمد کے عنوان سے اقبال مسلمانوں کو بے نیازی ہائے فقر کا سبق اسطرح دیتے ہیں۔

اے مسلمان کسی امیر کے آگے اپنی مالی مشکلات بیان نہ کر اور اپنا ہاتھ مت پھیلا علی شیر خداؑ کی طرح نانِ جویں پر گزارا کر اور زورِ حیدری سے وقت کے مرحبوں کی گردنیں توڑ اور خیبر اکھاڑ۔

پیش منعم شکوہ گردوں مکن
دست خویش از آستیں بیروں مکن
چوں علی در ساز بانانِ شعیر
گردنِ مرحب شکن خیبر بگیر!

اہلِ دول کا احسان کیوں اٹھاتا ہے اور ان کی جھڑکیاں کیوں سنتا ہے۔ سیم وزر کے ڈھالے ہوئے ان نت نئے کمینوں کے ہاتھ سے اپنا رزق مت حاصل کر اپنی قدر و قیمت کو جان۔

تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں ترا
اپنے آپ کو اسقدر ارزاں نہ سمجھ۔

منتِ از اہل کرم بردن چرا
نشتر لا و نعم خوردن چرا
رزق خود را از کفِ دوناں مگیر
یوسف استی خویش را ارزاں مگیر

اے مسلماں تیری حیثیت اگر ایک بے بال و پر چیونٹی کی سی ہے تو بھی کسی سلیمان ذیشان کے آگے اپنا دستِ احتیاج نہ پھیلا۔ اس جہاں میں آزادی کے ساتھ جینے اور مرنے کے لئے سفرِ حیات کو اموالِ دنیا کے سازو

Marfat.com
Marfat.com

ساماں سے دشوار تر نہ بنا۔ حضرت فارقِ اعظمؓ کا یہ فرمان یاد رکھ۔ اقللِ من الدنیا تعیش حُرا

گرچہ باشی مورو ہم بے بال و پر
حاجتے پیش سلیمانے مبر
راہ دشوار است ساماں کم بگیر
در جہاں آزاد زی آزاد میر
سجہ اقلل من الدنیا شمار
از تعش حرا شوی سرمایہ دار

اس مقام پر اقبال نے ایک مردِ قلندر حضرت بوعلی شرفؒ کا ایک شعرِ ناب تضمین فرمایا ہے جسے کتاب فقر کی بے نیازیوں کے باب کا سرِ مطلع کیا جا سکتا ہے۔ تختِ کیکاؤس کو پائے استحقار سے ٹھکرا کر گزر جا۔ جان دے دے مگر ناموسِ فقر پر آنچ نہ آنے دے۔

پشت پازن تختِ کیکاؤس را
سر بدہ از کف مدہ ناموس را

اقبال بے نیازی ہائے فقر کے ضمن میں حضرت امام مالکؒ کا واقعہ نظم فرماتے ہیں کہ

خلیفہ ہارون رشید نے حضرت امام مالکؒ کے حضور پیغام بھیجا کہ میں آپ سے اسرارِ حدیث سیکھنا چاہتا ہوں آپ مدینہ چھوڑ کر میرے پاس دارالحکومت آ کر قیام فرمائیں۔

حضرت امام مالکؒ نے فرمایا میں تو بس مصطفیٰ علیہ تحیہ والثنا کا نوکر ہوں اور میرے دل و دماغ میں فقط انہی کے عشق کا سودا سمایا ہے۔ میں اس صاحب دولت محبوب کریم ﷺ کے در کا غلام ہوں اس کی حریم پاک سے ہرگز نہیں اٹھوں گا میری زندگی خاکِ طیبہ کی تکریم و تعظیم میں مضمر ہے میرے لئے مدینہ طیبہ کی رات صبح عراق سے خوشتر ہے۔

زندہ از تقبیلِ خاکِ یثربم
خوشتر از روزِ عراق آمد شبم

میں جس عشق کا فرماں پذیر ہوں وہ مجھے بادشاہوں کی خدمت سے منع کرتا ہے۔ تو میرا آقا بننا چاہتا ہے۔ ایک بندہ آزاد کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ میں تری تعلیم کے لئے ترے در پر آؤں۔ ہرگز نہیں یہ خادم ملت ترا نوکر نہیں بن سکتا۔ تو اگر علم دین حاصل کرنا چاہتا ہے تو یہاں آ کر میرے حلقہء درس میں بیٹھ۔

عشق می گوید کہ فرمانم پذیر
پادشاہاں را نجدمت ہم مگیر

Marfat.com
Marfat.com

تو ہمی خواہی مرا آقا شوی
بندہ آزاد را مولا شوی
بہر تعلیم تو آیم بردرت
خادم ملت نگر دد چاکرت
بہرۂ خواہی اگر از علم دیں
درمیان حلقہ در سم نشیں

شانِ بے نیازی اپنے اندر سینکڑوں ناز رکھتی ہے اور اس کے ناز کے بے شمار انداز ہوتے ہیں۔

بے نیازی ناز ہا دار دبے
ناز او انداز ہا دار دبے

بے نیازی، صمدیت حق تعالیٰ کی صفت ہے بندہ حق بے نیازی ہائے فقر سے مولا صفات بن جاتا ہے۔ بے نیازی پیراہن حیات سے رنگ غیر کو دھوڈالنے اور صبغۃ اللہ اختیار کرنے کا نام ہے۔

بے نیازی رنگِ حق یوشیدن است
رنگِ غیراز پیرہن شوئیدن است

کلام اقبال میں فقر کے بے نیازیوں کے جلوے جا بجا ملتے ہیں۔ اپنا مشرحیات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ں میں فقر بے نیاز ہوں مرامقصدِ زندگی فقط یہ ہے کہ ٹوٹ سکتا ہوں مگر مومیائی کی گدائی نہیں کرسکتا۔

من فقیر بے نیازم مشربم ایں است و بس
مو میائی خواستن نتواں شکستن می تواں
مو میائی کی گدائی سے تو بہتر ہے شکست
مور بے پر حاجتے پیش سلیمانے مبر

اس موضوع کو پیام مشرق کی ایک غزل میں مسلسل اسطرح باندھا ہے۔

آئینہ کی طرح جمال غیر میں محو نہ ہو اپنے دل و دیدہ سے خیال غیر کو مٹادے

مرغانِ حرم کے نالہء پرسوز سے آگ لے کر اس آشیاں کو جلادے جس کی بنا تو نے نہال غیر کی شاخ پر رکھی ہے۔ اس دنیا میں اپنے بال و پر کھولنا سیکھ اور اپنے قدموں پر کھڑا ہونا سیکھ دوسروں کے دیئے ہوئے بال و پر سے بلندیوں کی طرف پرواز نہیں کی جاسکتی۔ میں ایک آزاد مرد ہوں اور اسقدر غیور ہوں کہ دوسرے کا عطا کردہ ایک جام آبِ شیریں بھی میرے لئے زہر قاتل ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

مثلِ آئینہ مشو محوِ جمال دگراں
از دل و دیدہ فرو شو خیالِ دگراں
آتش از نالہ مرغانِ حرم گیرو بسوز
آشیانے کہ نہادی بہ نہالِ دگراں
درجہاں بال و پر خویش کشودان آموز
کہ پریدن نتواں باپر وبال دگراں
مرد آزادم و آں گو نہ غیورم کہ مرا
می تواں کشت بیک جامِ زلال دگراں

اقبال طوافِ آتش بیگانہ کے سبب مسلک پروانگی کو بھی شانِ فقر سے فروتر سمجھتے ہیں

اللہ کا سو شکر کہ پرواز نہ نہیں میں
دریوزہ گرِ آتش بیگانہ نہیں میں !

ان کے نزدیک آتشِ بیگانہ کی دریوزہ گری شیوہ مردانگی کے خلاف ہے اقبال کہتے ہیں کہ اپنے آپ کو اپنی ہی آگ میں جلا۔ اور جلنے کے لئے بھی غیر کا احسان نہ اٹھا۔

دلا نارائی پروانہ تاکے
نگیری شیوہ مردانہ تاکے
یکے خود رابہ سوز خویشتن سوز
طواف آتشِ بیگانہ تاکے
کر مکِ ناداں طوافِ شمع سے آزاد ہو
اپنی فطرت کے تجلی زار میں آباد ہو

اے مسلمان! اگر تو اپنے کیف وکم سے آگاہ ہو تو قطرہ شبنم سے بحر متلاطم پیدا کر سکتا ہے۔ مہتاب کی دریوزہ گری کب تک اپنی رات کو اپنی آتش نفس سے روشن کرے

اگر آگاہی از کیف کم خویش
بے تعمیر کن از شبنم خویش
دلا در یوزہ مہتاب تاکے
شب خودرا برفروز ازدم خویش

Marfat.com
Marfat.com

پانی پانی کرگئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن ترا نہ من

مرد فقیر نہ خود کسی کا محتاج ہوتا ہے اور نہ کسی کو اپنا محتاج بناتا ہے۔ یہی نکتہ شرع میں ہے۔ یہی تعلیم اسلام ہے یہی پیغام فقر ہے۔

کس نگردد در جہاں محتاجِ کس
نکتہ ء شرعِ مبیں ایں است وبس

حضرت سعدی نے گلستان میں ایک حکایت رقم کی ہے

حاتم طائی سے کسی نے پوچھا کہ تم نے خود سے بڑھ کر کسی شخص کو ہمت والا اور سخی پایا اس نے جواب دیا ہاں ایک روز میں نے چالیس اونٹ قربان کر کے اہل شہر کی دعوت کی میں اثنائے دعوت میں برائے رفع حاجت گوشہء صحرا میں نکل گیا۔ وہاں ایک لکڑہارے کو دیکھا کہ خاردار جھاڑیوں کا گٹھا پشت پر لادے چلا آرہا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ حاتم کا مہمان کیوں نہیں ہو جاتا کہ ایک مخلوق خدا اس کے دسترخوان پر جمع ہے۔ اس مردِ ہمت نے کہا جو شخص اپنے بازوئے عمل کی قوت سے روٹی کما کر کھاتا ہے۔ وہ حاتم طائی کا احسان نہیں اٹھاتا۔ میں نے اسے ہمت و جوانمردی میں اپنے سے کہیں بڑھ کر پایا۔

منتِ حاتمِ طائی نبرد
ہر کہ نان از عمل خویش خورد

غیر سے بے نیازی کا شیوہ زندگی جب سے مسلمان نے کھو دیا وہ در بدر ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے۔

اسی شعار حیات کا دوسرا نام استغناء ہے۔ وہ استغناء جس میں مسلمانی کا معراج ہے۔ اور جس کے بغیر شکوہ خسروی بھی کسی کا کام کا نہیں۔ بال جبریل کی ایک نظم ''ایک نوجوان کے نام'' میں اقبال فرماتے ہیں۔

امارت کیا شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری" تجھ میں نہ استغنائے سلمانی"
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیب حاضر کی تجلی میں
کہ پایا میں نے استغناء میں معراج مسلمانی

اقبال کو مسلمان نوجوان سے بجا طور پر شکوہ ہے کہ وہ غیر سے بے نیاز ہونے کی بجائے فقر و استغناء سے بے نیاز ہے۔ اس نے علوم مغربی کو حاصل کیا اور مغربی تہذیب کے غازہ سے اپنا چہرہ تابناک بنانے کی کوشش کی۔ اور اس طرح اپنی قدر و قیمت گنوادی۔ اس نے اپنا آپ گنوادیا اپنی شناخت کھودی۔

Marfat.com
Marfat.com

علم غیر آموختی اندوختی
روئے خویش از غمزہ اش افروختی

نسیم غیر کے جھونکوں سے اسکی مٹی کو خاموش اور بے جان کر ڈالا اور وہ گل وریحان سے ہم آغوش ہوگئی ہے سحاب غیر سے بارش کی گدائی کر کے کھیتی کو خود اپنے ہاتھوں سے برباد کرنے لگا ہے۔ اس کی عقل افکار غیر کی قیدی ہوکر رہ گئی ہے اس کے سینے میں تار نفس بھی تار غیر کا مرہون منت ہے۔ اس کی فرمان پر جاری گفتگو غیر سے مستعار ہے اور سینے میں آرزوئیں بھی غیر کی عطا کردہ ہیں۔

عقل تو زنجیری افکار غیر
در گلوئے تو نفس از تار غیر
بر زبانت گفتگو با مستعار
در دِ ل تو آرزو با مستعار

اقبال بصد رنج والم کہتے ہیں کہ اگر اس حالت میں وہ محبوب کریم آقا ومولا علی الصلوۃ تسلیم جس کی نگاہِ ناز سرِ مازاغ البصر کی امین ہے اپنی امت کو دیکھیں تو اس بیگانہ خویش کو کیونکر اپنا جانیں گے۔ افسوس کہ وہ محبوب کریم ہمیں اس حال میں دیکھ کر فرمائیں گے لست منی یہ ہم میں سے نہیں یہ ہمارا نہیں ہے۔ ہم پر افسوس! وائے افسوس!

لست منی گویدت مولائے ما
وائے ما اے وائے اے وائے ما

ہماری زندگی کب تک اس ستارہ سحر کی مانند رہے گی جو اپنی چمک کے لئے آفتاب سے گدائی کرتا ہے اور پھر اپنی ہستی کو اس کے نور سحر میں گم کر دیتا ہے۔

ہم جو صبح کاذب کے فریب خوردہ ہین اپنے اندر جھانکیں تو خود آفتاب ہیں۔ پھر بھلا ہم نجوم غیر سے چمک کیوں خرید رہے ہیں۔

زندگانی مثل انجم تا کجا
ہستی خود در سحر گم تا کجا
ریو اے از صبح دروغے خوردہ
رخت از پہنائے گردوں بردہ
آفتاب استی یکے درخود نگر
از نجوم دیگراں تابے مخر

Marfat.com
Marfat.com

ہمارے پاس جونسخہ کیمیا تھا ہم نے اسے دے کراس کے عوض خاک لے لی ہے۔ہم نے اپنے دل پر غیر کی تعلیم وتہذیب کا نقش قائم کرلیا ہے۔دوسروں سے مانگی ہوئی تب وتاب سے چمکنا کب تک جاری رہے گا۔شمع بزمِ اغیار کا طواف کب تک اگر دل رکھتا ہے تو اپنی آگ کے سوز میں جل۔ نظر کی طرح اپنے پردوں میں رہ یا اپنی طاقت سے پرواز کر یا اپنی جگہ پر ہی رہ۔

تا کجا رخشی زتابِ دیگراں
سر سبک ساز ارشراب دیگراں
تا کجا طوف چراغ محفلے
زآئش خود سوز اگر داری لے
چو نظر در پردہ ہائے خویش باش
می پردا ما بجائے خویش باش

اس جہاں میں مثال حباب زندگی بسر کر اور اپنے خلوت خانہ کی راہ بلبلے کی مانند غیر پر بند رکھ حباب اپنی خودداری اور استغنا کی بدولت ہمیشہ نگوں پیمانہ ہوتا ہے۔اور سطح آب پر اپنی چھوٹی سی خلوت گاہ کا راستہ غیر کے لئے بند رکھتا ہے۔

در جہاں مثل حباب اے ہوشمند
راہ خلوت خانہ براغیار بند

مصطفیٰ علیہ ﷺ کے پیغام سے آگاہ ہو غیر اللہ سے اپنے دل کو بے نیاز کرے کہ یہی مقتضائے توحید ہے۔

از پیام مصطفیٰ آگاہ شو
فارغ از ار بابِ دون اللہ شو

ساقی نامہ میں اس طرح درس استغنا دیتے ہیں۔

خودی کے نگہباں کو ہے زہر ناب
وہ ناں جس سے جاتی رہے اسکی آب
وہی ناں ہے اس کے لئے ارجمند
رہے جس سے دنیا میں گردن بلند
فرو فال محمود سے در گزر
خودی کو نگہ رکھ ایازی نہ کر

Marfat.com
Marfat.com

بال جبریل کی ایک رباعی میں اقبال اپنی اسی شانِ استغنا پر بارگاہِ مدیت میں سپاس گزار ہوتے ہیں۔

کرم ترا کہ بے جوہر نہیں میں
غلام طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں
فقیرم سازو سامانم نگاہیست
بچشم کوہ یاراں برگ کاہیست
زمن گیر ایں کہ زاغ دخمہ بہتر
ازاں بازے کہ دست آموز شاہیست

Marfat.com
Marfat.com

غیرتِ فقر

اقبال نے جس فقر کو دین کا مترادف قرار دیا ہے اسے فقر غیور کا نام دیا ہے۔ غیرت وحمیت فقر کی نمایاں ترین خوبی ہے۔ غیرت وہ دولت عظیم ہے جو غریبی کو محسودِ امیری بناتی ہے۔ اور صاحبِ فقر کو سنجر وطغرل سے بڑھ کر شان وشکوہ عطا کرتی ہے۔

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ ودو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا
غریبی میں ہوں محسود امیری
کہ غیرت مند ہے میری فقیری

اقبال کے نزدیک غیرت ہی حقیقی طریقت ہے۔

غیرت ہے طریقت حقیقی
غیرت سے ہے فقر کی غلامی

اقبال کا سارا کلام اسی غیرتِ فقر کا ترجمان ہے جسے کہیں وہ اسرار خودی کے عنوان سے بیان کرتے ہیں تو کہیں رموز بے خودی کا نام دیتے ہیں۔

مسلمان کو غیرتِ مردانہ کا سبق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گائے اور بھیڑ شیری کا راز نہیں سمجھ سکتی اس لئے اپنے اسرار شیر مردوں کے علاوہ کسی سے مت بیان کر کسی کمین فطرت اور رذیل کے ساتھ بیٹھ کر شغل مے نہیں ہوسکتا خواہ وہ سفلہ بادشاہ روم ورے ہی کیوں نہ ہو ہمارے یوسف کو اگر بھیڑیے لے جاتے تو بہتر تھا اس سے کہ کوئی مردِ ناکس اسے خریدتا۔

سر شیری را نہ فہمد گاؤ میش
جز بہ شیراں کم بگو اسرار خویش
باحریف سفلہ نتواں خوردے
گرچہ باشد پادشاہِ روم ورے
یوسفِ مارا اگر گرگے برد
بہ کہ مردِ ناکسے اوراخرد

علامہ اقبالؒ کی زندگی کے آخری دنوں میں جب وہ بہت بیمار تھے سر اکبر حیدری نے ایک ہزار کا چیک مدد

Marfat.com
Marfat.com

کے لئے انہیں بھجوایا۔ اقبال نے یہ امداد واپس لوٹا دی اور ساتھ ہی چند اشعار بھی لکھ بھیجے جو ان کی غیرت فقر کا مظہر ہیں۔

تھا یہ فرمانِ الٰہی کہ شکوہِ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسنِ تدبیر سے دے آنی و فانی کو ثبات
میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا بردوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند نبات
غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میرے خدائی کی زکوٰۃ

Marfat.com
Marfat.com

غیرتِ فقر

اقبال نے جس فقر کو دین کا مترادف قرار دیا ہے اسے فقر غیور کا نام دیا ہے۔ غیرت وحمیت فقر کی نمایاں ترین خوبی ہے۔ غیرت وہ دولت عظیم ہے جو غریبی کو محسودِ امیری بناتی ہے۔ اور صاحبِ فقر کو سنجر وطغرل سے بڑھ کر شان وشکوہ عطا کرتی ہے۔

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ ودو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا
غریبی میں ہوں محسود امیری
کہ غیرت مند ہے میری فقیری

اقبال کے نزدیک غیرت ہی حقیقی طریقت ہے۔

غیرت ہے طریقت حقیقی
غیرت سے ہے فقر کی غلامی

اقبال کا سارا کلام اسی غیرتِ فقر کا ترجمان ہے جسے کہیں وہ اسرار خودی کے عنوان سے بیان کرتے ہیں تو کہیں رموز بے خودی کا نام دیتے ہیں۔

مسلمان کو غیرتِ مردانہ کا سبق دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ گائے اور بھیڑ شیری کا راز نہیں سمجھ سکتی اس لئے اپنے اسرار شیر مردوں کے علاوہ کسی سے مت بیان کر کسی کمین فطرت اور رذیل کے ساتھ بیٹھ کر شغل مے نہیں ہوسکتا خواہ وہ سفلہ بادشاہ روم ورے ہی کیوں نہ ہو ہمارے یوسف کو اگر بھیڑیے لے جاتے تو بہتر تھا اس سے کہ کوئی مردِ ناکس اسے خریدتا۔

سر شیری را نہ فہمد گاؤ میش
جز بہ شیراں کم بگو اسرار خویش
باحریف سفلہ نتواں خوردمے
گرچہ باشد پادشاہِ روم ورے
یوسفِ مارا اگر گرگے برد
بہ کہ مردِ ناکسے اوراخرد

علامہ اقبالؒ کی زندگی کے آخری دنوں میں جب وہ بہت بیمار تھے سر اکبر حیدری نے ایک ہزار کا چیک مدد

Marfat.com
Marfat.com

کے لئے انہیں بھجوایا۔ اقبال نے یہ امداد واپس لوٹا دی اور ساتھ ہی چند اشعار بھی لکھ بھیجے جو ان کی غیرت فقر کا مظہر ہیں۔

تھا یہ فرمانِ الٰہی کہ شکوہِ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا کہ لے اور شہنشاہی کر
حسنِ تدبیر سے دے آنی و فانی کو ثبات
میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا بردوش
کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند نبات
غیرتِ فقر مگر کر نہ سکی اس کو قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میرے خدائی کی زکوٰۃ

Marfat.com
Marfat.com

دلنوازی ہائے فقر

الدین نصیحۃ دین خیر خواہی کا نام ہے

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

مسلکِ فقراء کا دوسرا نام حسن خلق ہے حسن اخلاق تصوف کا عین اور کمال ہے۔
حسن خلق مہر و محبت، شفقت و رحمت اور دلداری و دلنوازی اہل فقر کا طرہ امتیاز ہے۔

مسلماں کے لہویں ہے سلیقہ دلنوازی کا
مروت حسنِ عالمگیر ہے مردانِ غازی کا

دلنوازی کا ہنر اس مرد فقیر سے بڑھ کر اور بھلا کون جانے گا کہ جس کے قلب و نگاہ قلب المومن عرش اللہ تعالیٰ کی حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں۔

مرشد رومیؒ فرماتے ہیں کہ دلنوازی حج اکبر سے بڑھ کر عمل ہے ایک دل ہزاروں کعبوں سے بہتر ہے خانہ کعبہ تو خلیل اللہ کی بنیاد اور نشانی ہے مگر دل وہ گزرگاہ ہے جس پر محبوب حقیقی جلیل اکبر کا آنا جانا رہتا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنگاہِ خلیل آذر است
دل گزر گاہِ جلیل اکبر است

فقر کی دلنوازیاں ہمہ گیر ہیں صاحب فقر سراپا رحمت و شفقت ہوتا ہے۔

بندہ عشق از خدا گیرد طریق
می شود بر کافر و مومن شفیق
اسکی نفرت بھی عمیق اسکی محبت بھی عمیق
قہر بھی ہے اس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق

اقبال کے نزدیک طریقت احکام شریعت کو قلب و روح کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام ہے اور احکام الٰہی کو قلب و روح کی گہرائیوں میں محسوس کر کے 'محسن' بننے والا بندہ خدا صاحب طریقت کہلاتا ہے۔ وہ اہل طریقت جس قرآن حکیم میں 'محسنین' کے خطاب سے نوازا گیا اہل فقر ہین صاحب فقر کمالِ احسان کی منزل پر ہوتا

Marfat.com
Marfat.com

ہے ۔ اور الخلق عیال اللہ کے فرمان کے مطابق مخلوق خدا کے لیے سراپا محبت و رحمت ہوتا ہے ۔ جاوید نامہ میں ''زمزمہ انجم'' کے عنوان سے قلندری و سکندری کا فرق بیان کرتے ہوئے فقر کو دلیل دلبری قرار دیتے ہیں۔

دبدبہ قلندری طنطنہ سکندری
آں ہمہ جذبہ کلیم ایں ہمہ سحر سامری
آں بہ نگاہ می کشد ایں بہ سپاہ می کشد
آں ہمہ صلح و آشتی ایں ہمہ جنگ داوری
ہر دو جہاں کشاستند ، ہر دوام خواستند
ایں بہ دلیل قاہری ، آں بہ دلیل دلبری

اقبال نے ابتدائے عشق و مستی کو قاہری قرار دیا ہے اور اس کی انتہا دلبری بتائی ہے ۔

ابتدائے عشق و مستی قاہری است
انتہائے عشق و مستی دلبری است

گویا فقر کی بے نیازیاں آغاز کار ہیں اور فقر کی دلنوازیاں انتہائے فقر ہیں قرآن حکیم کی ایک آیت جلیلہ میں بندگانِ حق اہل فقر کا مکمل نظام حیات بیان فرمادیا گیا ہے۔

محمد رسول الله والذین معه ، اشداء علی الکفار رحماء بینهم تراهم رُکعاً سُجداً یبتغون فضلاً من الله ورضوانا سیما هم فی وجوههم من اثر السجود

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کی معیت و رفاقت کے فیضان سے مستنیر و مستفیض ہوئے وہ کافروں پر انتہائی شدید اور آپس مین سراپا رحمت ہیں آپ انہیں رکوع و سجود کی حالت میں دیکھیں گے ۔ وہ ہمہ وقت اپنے رب کی طرف سے فضل و رضا کے طلبگار رہتے ہیں ۔ سجدوں کے اثر سے ان کی جبینوں کے داغ (مثالِ ماہ) چمکتے ہوئے دیکھے جاسکتے ہیں ۔

بندہ حق کی محبت اور اس کی نفرت اللہ ہی کے لئے ہوتی ہیں ۔ حضور سرور عالم ﷺ کا فرمان گرامی ہے ۔

من اَحبَّ لِلّٰهِ و اَبْغَضَ لِلّٰهِ وَ اَعْطی لِلّٰهِ وَ منع لِلّٰه فقدا ستکمل الا ایمان

جس نے محبت کی اللہ کیلئے جس نے بغض رکھا اللہ کے لئے عطا کیا اللہ کے اور رک گیا اللہ کے لئے بیشک اس کا ایمان کامل ہے ۔

بندہ خدا خدا کے دشمنوں کے لئے غیظ و غضب کا پیکر ہوتا ہے اور اپنوں کے لئے سراپا رحمت و شفقت

Marfat.com
Marfat.com

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

Marfat.com
Marfat.com

صاحبِ فقر

بندہ عشق　　　مردِ غوغا　　　صاحب دل

اقبال نے اپنے کلام میں مردِ مومن کی جو صفات بیان کی ہیں مردِ فقیر ان جملہ صفات کا مظہر اتم ہوتا ہے۔ ان اوصاف میں سے نمایاں ترین وصف ''عشق'' ہے۔ اگر کہا جائے کہ افکار اقبال کا خلاصہ ایک لفظ میں بیان کریں تو جواب میں بجا طور پر بلا تردد ''عشق'' کا نعرہ مستانہ بلند کیا جا سکتا ہے۔ اقبال کے مسلک میں جو دل عشق سے عاری ہے وہ ایمان سے خالی ہے۔

ہر کہ آں عاشق نبا شد کافر است

اقبال کے اس مسلکِ عشق کی ترجمانی ان کے ایک پیشرو پسندیدہ شاعر نظیری نے اس طرح کی ہے۔

کسے کہ کشتہ نشد از قبیلہ ء مانیست

جو شخص جمال حبیب کا کشتہ نہیں وہ ہمارے قبیلے کا فرد نہیں ہے۔

اقبال نظیری کے اس مصرعہ کو اسقدر عزیز جانتے ہیں کہ اسے سلطنت جمشید کے عوض بھی دینے پر تیار نہیں۔ اپنی ایک غزل میں اسی مصرعہ کو اسطرح تضمین کرتے ہیں

بملکِ جم ندھم مصرعہ ء نظیری را

کسے کہ کشتہ نشد از قبیلہ ء مانیست

لیکن اقبال کا مسلک عشق دشت وصحرا اور اشک و آہ والا نہیں بلکہ غلغلہ و ہنگامہ اور غلبہ و تسخیر والا ہے۔

بیا کہ غلغلہ و در شہر دلبراں فکنیم !

جنونِ زندہ دلاں ہرزہ گردِ صحرا نیست

نظیری کے جس مصرعہ کو اقبال ملک جمشید کے عوض دینے پر تیار نہیں اس کا مصرعہ اول بھی اسی مسلکِ عشق کا ترجمان ہے۔

گریز از صف ماہر کہ مرد غوغا نیست

کسے کہ کشتہ نشد از قبیلہ ما نیست

اقبال نے اسی بحر کی ایک غزل میں مسلک کی وضاحت یوں فرمائی ہے۔

شریک حلقہ ء رندانِ بادہ پیا باش !

حذر ز بیعت پیرے کہ مرد غوغا نیست

Marfat.com
Marfat.com

اقبال ایسے مرشد کی بیعت سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں جو مسلک عشق کا راہبر نہیں ہے۔ اقبال کے نزدیک صاحب فقر اس قوتِ عشق کا حامل ہوتا ہے جو ہر لمحہ تسخیر میں مصروف ہوتی ہے۔ اقبال کے مسلک میں عاشق وہ نہیں جو محو آہ و فغاں ہوتا ہے بلکہ اقبال کے نزدیک بندہ عشق وہ ہے جو ہتھیلی پر دونوں جہاں اٹھائے ہوئے ہے۔

عاشق آں نیست کہ لب گرم فغانے دارد
عاشق آں است کہ برکف دو جہانے دارد

یہ دل مردہ جو ہر وقت آب و گل کے تقاضوں کا اسیر رہتا ہے اگر قوتِ عشق سے زندہ ہو جائے اس کی تنگ دامانی ایسی لامتناہی وسعتوں میں بدل جاتی ہے۔ جس میں سینکڑوں کائناتیں سما جائیں۔

گرچہ دل زندانی آب و گل است
ایں ہمہ آفاق آفاقِ دل است
دل بدست آور کہ در پہنائے دل
می شود گم ایں سرائے آب و گل

اور

خلق کہتی ہے ۔ جسے دل ترے دیوانے کا
ایک گوشہ ہے یہ دنیا اسی ویرانے کا

انسان آج زمان و مکان کا قیدی بن کر رہ گیا ہے لیکن اسکا حقیقی منصب زمان و مکان پر حاوی ہونا ہے۔ صاحب فقر بندہ مومن کی شان یہ ہے۔

افلاک سے رکھتا ہے حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اسکی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن

مرد فقیر اس حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ زندگی محض سلسلہء تار نفس کا

نام نہیں بلکہ حقیقی زندگی شکستِ طلسم ایام ہے
مرد قلندر آیام کا مرکب نہیں راکب ہوتا ہے
تو از شمار نفس زندہ ای نمی دانی
کہ زندگی بہ شکست طلسم ایام است

Marfat.com
Marfat.com

اقبال کے نزدیک زندگی نام ہی تسخیر کائنات کا ہے مگر افسوس کہ آج کا مسلمان آب وگل کا قیدی بن کر رہ گیا ہے۔ پھر بھلا وہ کیونکر جہان کا آقا بن سکتا ہے۔

حیات چست جہاں را اسیر جاں کر دن
تو خود اسیر جہانی کجا تو انی کر دا

بندہ حق دنیا کا غلام نہیں بلکہ مولا ہوتا ہے۔

اقبال دنیا میں غرق ہونے کو کافر کی پہچان قرار دیتے ہیں بندہ مومن کی پہچان تو یہ ہے کہ پوری کائنات اس میں گم ہوتی ہے وہ کائنات پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔

کافر کی یہ پہچاں کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

ایک اور مقام پر کافر و مومن کی بجائے عبد و حر کی اصطلاحیں استعمال کرتے ہوئے اس حقیقت کی وضاحت اس طرح فرماتے ہیں۔

عبد گردد یا وہ در لیل و نہار
در دلِ حُر یا وہ گر د د روز گار

ایک جگہ اسکی ترجمانی یوں کرتے ہیں کہ جو حرف لا الہ از بر کر لیتا ہے۔ وہ پوری کائنات کو اپنے اندر سمو لیتا ہے۔

ہر کہ حرف لا الہ از بر کند
عالمے لا گم بخویش اندر کند

اس مضمون کو سرمدؒ نے اپنے انداز میں باندھا ہے سرمد شہیدؒ فرماتے ہیں ۔

جس کے پاؤں راز حقیقت سے بندھ گئے اس کے رہوار شوق کی جولانگاہ آسمانوں سے بھی بڑھ گئی۔ ملا کا کہنا ہے کہ نبی ﷺ آسمان پر گئے سرمد کہتا ہے کہ آسمان خود حضور کے قدموں میں آ گیا۔

ہر کہ سر حقیقتش پادر شد
او پہن تر از سپہر پہنا در شد
ملا گوید کہ بر فلک شد احمد
سرمد گوید کہ فلک براحمد درشد

یہ شانِ تسخیر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم میں بتمام و کمال پائی گئی سرور کائنات ﷺ کہ جملہ عالمین کے لئے نبی رحمت اور شاہد ہیں آپ کے ساری کائنات پر حاوی ہونے کا عالم تو کچھ اس طرح ہے کہ کائنات حضور سید

Marfat.com
Marfat.com

عالم ﷺ کی ہتھیلی پر ایک دانہ خشخاس کے برابر ہے۔ اور یہی حقیقت ہے حضور پرنور سرور عالم ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کی۔ آپؐ ناظر ہیں اس کائنات کے جو آپ کے لئے حاضر کردی گئی ہے۔ مولانا رومؒ مثنوی شریف میں حضور نبی اکرم واعظم ﷺ کے بچپن کا ایک واقعہ نظم کرتے ہیں کہ عالم طفلی میں جب حضور ﷺ اپنی رضاعیماں حضرت حلیمہ سعدیہؓ کے پاس رہتے تھے ایک روز آپ اپنے رضائی بہن بھائیوں کے ہمراہ صحرا میں بھیڑ بکریاں چرانے کے لئے آئے ہوئے تھے کہ شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ حضورؐ جب اپنے رضاعی بہن بھائیوں کی نگاہوں سے غائب ہوگئے تو وہ پریشان ہوکر اپنے والدہ کے پاس گئے اور انہیں جاکر آپ کی گمشدگی کے بارے میں بتایا۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ حضور کی تلاش میں روتی ہوئی پھر رہی تھیں کہ اچانک آواز آئی۔

اے حلیمہ غم مت کرو وہ محمد ﷺ تجھ سے گم نہیں ہونگے۔ بلکہ سارا عالم ان میں گم ہوگا۔

غم مخور یا وہ نگر دد عالم او

بلکہ عالم یا وہ گردد اندر او

الغرض تسخیر کائنات بندہ مومن کے بنیادی اوصاف میں سے ہے حضور سید عالم ﷺ کی غلامی کے صدقے یہ کائنات بندہ مومن کو ورثہ میں عطا ہوئی ہے۔

جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی

میرے کلام پہ حجت ہے نکتہ لولاک

اقبال کی نگاہ میں یہ عالم مومنِ جانباز کی میراث ہے اور جو صاحب لولاک نہیں وہ مومن کامل نہیں ہے۔

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث

مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

بندہ حق کا مقصود و محبوب اللہ ہے اور قرب الٰہی کا حصول بندہ حق کی آخری منزل ہے اقبال کے نزدیک تسخیر کائنات کے بغیر قرب الٰہی کا حصول ناممکن ہے۔ کیونکہ اس محبوب حقیقی سے ملاقات تبھی ممکن ہے جب انسان زمان ومکان کی قید سے باہر نکلے اور زمان ومکان کو اپنا اسیر کرلے۔ زمانہ کیا ہے اس محبوب دلآرام کا قاصدِ طیار جس کا وجود سراپا پیغام محبوب ہے۔ اس پیغام محبت کی سماعت اور فہم کے لئے لازمی ہے کہ اس قاصد کو اپنے قابو میں کرلیا جائے۔

زمانہ قاصدِ طیار آں دلآرام است

چہ قاصد کے وجودش تمام پیغام است

اس معشوقِ ازلی کے پرستار دونوں جہاں ہتھیلی پہ لئے اس بازار میں نکلتے ہیں جہاں فقط عشق کا سودا ہوتا ہے۔

دوعالم نقدِ جہاں بردست دارند

Marfat.com
Marfat.com

بیا زارے کہ سودائے تو باشد

اسی لئے اقبال زاہد ظاہر بیں کو حصول قرب الٰہی کا ذریعہ بتاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اے زاہد ظاہر بیں۔ تو قرب الٰہی کے بارے میں پوچھتا ہے اور بوبگاب اندر کا مصداق بننا چاہتا ہے۔ تو گلشن عالم کو اپنے گریباں میں سمیٹ لے بغیر تسخیر کائنات تجھے قرب الٰہی حاصل نہیں ہوسکتا۔

بے دود جہانگیری ایں قرب میسر نیست
گلشن بگریباں کش اے بو بگاب اندر

اقبال کی نظر میں یہ کائنات مردہ دلوں کے لئے ایک زنداں ہے۔ بندہ حق جس کا دل عشق الٰہی سے زندہ ہو اس جہاں کی قید سے آزاد ہوتا ہے۔ ان کے لیے زمان و مکان کی کوئی قید نہیں ہوتی اقبال کہتے ہیں کہ میں ان شہسواراں شوق کی ہمتِ بیدار کا غلام ہوں جو چاند تاروں کو اپنے نیزے کی نوک میں پرو لیتے ہیں۔ اور اپنی گرہ میں باندھ لیتے ہیں۔

غلام ہمت بیدارآں سوارانم
ستارہ رابسناں سفتہ درگرہ بستند
بچشم مردہ دلاں کائنات زندانے است
دوم جام بادہ کشیدند وا از جہاں رستند

عارفان خودی جب اپنی مخفی قوتوں سے آگاہ ہوتے ہیں تو اس خاکدان ارضی سے باہر زقند لگاتے ہیں اور مہر و سپہر و نجوم کے طلسم کو توڑ کر نکل جاتے ہیں۔

خود آگہاں کہ ازیں خاکداں برو جستند
طلسم مہر و سپہر و ستارہ بشکستند

اقبال کی نگاہ میں بندہ مومن کا حقیقی مقام کیا ہے

مقام بندہ مومن کا ہے ورائے سپہر
زمیں سے تابہ ثریا تمام اات ومنات
حریم ذات ہے اسکا نشیمن ابدی
نہ تیرہ خاک لحد ہے نہ جلوہ گاہ صفات
پرے ہے چرخ نسلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں وہ کارواں تو ہے

Marfat.com
Marfat.com

افلاک سے رکھتا ہے حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن
جچتے نہیں کنجشک و حمام اسکی نظر میں
جبریل و سرافیل کا صیاد ہے مومن
دست در دامن جاں خواہم زد
پائی برفرق جہاں خواہم زد
اسپ بر جسم وجہت خواہم تاخت
بانگ برکون و مکاں خواہم زد

بندہ حق قرب الٰہی کے حصول کے لئے ہر لحہ تسخیر میں مصروف رہتا ہے۔ اس عمل میں وہ عالم محسوسات کو تسخیر کر کے عناصر پر حکمراں ہوتا ہے۔ اور ہر ذرہ سے ایک نیا جہاں تعمیر کرتا ہے۔ اہل نظر کے لئے کوہ وصحرا دشت و دریا بحر و بر تختہء تعلیم ہوتے ہیں۔ یہ جہاں کاروانِ حیات کی ایک رہگذر ہے۔ اور مومن کی قوتوں کی امتحان گاہ ہے۔

ہر کہ محسوسات راتسخیر کرد
عالمے از ذرہ تعمیر کرد
کوہ وصحرا دشت ودریا بحروبر
تختہ تعلیم اربابِ نظر

عالم محسوسات کو زیر کر لینے اور زمان ومکان پر غالب آنے کی ترغیب قرآنِ حکیم میں دی گئی ہے اور اس کے ذریعے کی نشاندھی بھی فرمائی گئی ہے جو بندہ مومن کو زمان ومکاں کی سرحدوں سے باہر نکلنے میں مدد کرتا ہے۔

یٰمعشرَ الجنّ والانس اِنِ استَطعتُم اَنْ تَنفذُوا مِنْ اَقطَارِ السَّمٰوٰتِ والاَرضِ فانفذُوا لاَ تَنفذُونَ اِلاَّ بِسُلطٰنٍ.

اے گروہ جن وانس اگر تم میں طاقت ہے کہ تم زمین اور آسمانوں کی سرحدوں سے نکل سکو تو نکل جاؤ تم بغیر سلطان (قوت) نہیں نکل سکتے۔

بندگانِ حق کے لئے حق تعالیٰ کا یہ چیلنج انہیں دعوتِ تسخیر دیتا ہے۔ اور وہ قوت سلطان حاصل کرنے کی ترغیب دیتا ہے جس کی مدد سے عالم محسوسات کا قیدی زمان ومکاں کی سرحدوں سے باہر نکل سکتا ہے۔ مولانا پانی پتی تفسیر مظہری میں اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ''بسلطان'' سے ''بسلطانی'' یعنی میری قوت ہے۔ یعنی ویسے تو زمین وآسماں کے دائرے سے باہر نکلنا ممکن نہیں البتہ میری قوت کسی کو حاصل ہوجائے تو وہ ان حد بندیوں سے

Marfat.com
Marfat.com

باہر نکل سکتا ہے۔

حضور سرور عالم ﷺ اسی قوت سے شب معراج اپنے جسم مظہر کے ساتھ ساتوں آسمانوں سے پار تشریف لے گئے اسی لئے بندہ حق سلطانیؒ کے حصول کے لئے مولا صفات بننا ہے۔ اس کے دشت جنوں سے جبریل جیسے پیکران قوت وشوکت صید زبوں ہوتے ہیں اور وہ اپنی ہمت مردانہ سے خدا پر کمند ڈالتا ہے ۔

درد شت جنونِ من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آورائے ہمت مردانہ

مولانا روم کے الفاظ میں۔

بر یر کنگرہ کبریاش مردانند
فرشتہ صید و پیمبر شکار ویزداں گیر

Marfat.com
Marfat.com

صاحب فقر صاحب جنوں

اقبال کے نزدیک زندگی اس جذبِ دروں کا نام ہے جو بندہ مومن کو ایک مجذوبانہ کیفیت عطا کرتا ہے۔

حیات کیا ہے خیال و نظر کی مجذوبی
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں
ضمیر پاک و نگاہ بلند و مستی شوق
نہ مال و دولت قاروں نہ فکر افلاطوں

جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے

لاَ یو من اَحد کم حتّی یُقالُ اِنَّہُ مجنون

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اسے دیوانہ نہ کہا جانے لگے اسی لئے اقبال بارگاہ رب العزت میں دعا کرتے ہیں۔

عطا اسلاف کا جذب دروں کر
شریک زمرہ لایحزنوں کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا ہوں
مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

ایک اور مقام پر حضور حق میں لادینی کے خلاف استغاثہ کرتے ہوئے اپنے لئے اس سوز دروں سے حصہ مانگتے ہیں جو فقرِ صدیقؓ کی روح ہے۔

دگرگوں کر دلادینی جہاں را
ز آثار بدن گفتند جاں را
ازاں فقرے کہ باصدیقؓ دادی
بشورے آوریں آسودہ جاں را

اقبال کی نظر میں یہی جذب دروں روحِ فقر ہے اور اصلِ ایمان ہے

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

ایک مرد قلندر کی نگاہ میں بے وقار زندگی موت سے بدتر ہوتی ہے۔ اور باوقار موت زندگی کی جان ہے۔یہی

Marfat.com
Marfat.com

عشق کی حقیقت ہے جو اس راز کو پا گیا وہ کلیم بن گیا مگر اس کے برعکس جو زندگی کی حقیقت سے نا آشنا رہا اسکی زندگی محض شرمندگی رہی۔

کھول کے کیا بیاں کروں سر مقام مرگ و عشق
عشق ہے مرگِ باشرف مرگ حیات بے شرف
صحبت پیرروم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

مرشد رومیؒ نے مرد فقیر کو صاحب دل کا نام دیا ہے اور اس کی خصوصیات مثنوی شریف میں ایک حکایت کے پیرائے میں بیان کی ہیں فرماتے ہیں۔

سلطان محمد خوازم شاہ نے سبزوار کا شہر فتح کیا جس کے تمام باشندے رافضی تھے۔ اہل شہر نے جان کی امان چاہی تو اس نے کہا تمہیں امان دونگا کہ اس شہر سے کوئی ایک ابوبکر نامی شخص میرے پاس لاؤ۔

اہل شہر نے شاہ کے سامنے اشرفیوں کے ڈھیر لگا دیئے اور عرض کیا کہ ایسے شہر سے ابوبکر نہ مانگ ابوبکر سبزوار میں کہاں ہوسکتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کسی بہتی ہوئی ندی میں خشک مٹی کا ڈھیلا۔ خوازرم شاہ نے ان کی لائی ہوئی اشرفیوں سے منہ پھیر لیا اور کہا جب تک تم کسی ابوبکر نامی شخص کا تحفہ مرے پاس نہ لاؤ گے کوئی فائدہ نہیں میں بچہ نہیں ہوں کہ سونے اور چاندی سے حیران رہ جاؤں۔ اہل سبزوار نے دائیں بائیں اپنے جاسوس دوڑائے مگر اس ویرانے میں کوئی ابوبکر کہاں ملتا تین دن اور تین راتوں کی تلاش کے بعد آخر انہوں نے ایک لاغر و بیمار شخص کو پالیا جس کا نام ابوبکر تھا۔ وہ مسافر تھا اور مرض کے سبب وہاں پڑا رہ گیا تھا۔ سبزوار کے ویرانے میں ایک موتی کی طرح بے سروسامان ایک اجڑے ہوئے گوشے میں سو رہا تھا۔ سبزدار والوں نے اسے کیا اٹھ کہ بادشاہ تیرا طالب ہے اور تیری وجہ سے پورا شہر قتل و غارت سے بچ سکتا ہے۔ اس نے کہا اگر میں قدم اٹھا سکتا تو اپنی منزل کی طرف نہ نکل گیا ہوتا اس دشمنستاں میں کیوں پڑا ہوتا۔ سبزوار والے اس ابوبکر نامی بیمار شخص کو تابوت میں لٹا کر خوازرم شاہ کے پاس لے آئے۔ یہ حکایت بیان کرنے کے بعد مولانا روم فرماتے ہیں۔ کہ یہ دنیا ایک سبزوار کی طرح ہے اور صاحب دل مرد حق، مرد فقیر اس میں اس بیمار ابوبکر کی طرح رائیگاں ہے۔ خوازرم شاہ بمنزلہ خدائے بزرگ و برتر ہے جو اہل سبزوار سے کسی صاحب دل کا طالب ہے۔

سبزوار است ایں جہاں و مرد حق
اندریں جا ضائع است و ممتحق
ہست آں خوازرم شاہ آں جلیل

Marfat.com
Marfat.com

درہمی خواہد ازیں قوم ذلیل

اس کے بعد مولانا ایک حدیث پاک نظم کرتے ہیں۔

حضور سرور عالم ﷺ کا فرمان ہے کہ خدا تمہاری صورت کو نہیں دیکھتا۔ بس کسی صاحب دل کی تلاش کی تدبیر کرو اللہ کسی صاحب دل ہی کے ذریعے تم پر نظر کرم فرماتا ہے نہ کہ تمہاری شکل وصورت تمہارے سجود و قیام اور صدقات وخیرات دیکھ کر

گفت لا ینظر الی تصویر کم
فابتغو اذا القلب فی تبدیر کم
من زصا حبدل کنم در تو نظر
نے بنقش و سجدہ و ایثار زر

اے اہل جہاں تم نے اپنے دل کو دل سمجھ لیا ہے اور کسی صاحب دل کی جستجو ترک کر دی ہے حالانکہ دل اس وسعتِ عظیم کا نام ہے جس میں اگر سات آسمانوں جیسے سات سو آسمان بھی سما جائیں تو ان کا پتہ نہ چلے کہ کہاں گم ہو گئے۔ ان ریزوں جیسے چھوٹے دلوں کو دل نہ کہو۔ اس دنیا کے سبزوار میں کسی صاحب دل کی جستجو مت کرو۔ صاحب دل تو چھ رخا آئینہ ہوتا ہے اس میں شش جہت سے حق تعالیٰ نظر کرتا ہے۔ اس میں شش جہت سے نور الٰہ منعکس ہوتا ہے۔ وہ بندہ جو شش جہات میں ٹھکانہ نہ رکھتا ہو وہ ایک لمحہ کے لئے بھی غیر حق کو دیکھنا گوارا نہیں کرتا۔ جس بندہ حق میں خدا خود شش جہات سے دیکھ رہا ہو۔ وہ بھلا شش جہات میں کیونکر سما سکتا ہے اور ایک لمحہ کے لئے بھی ماسوی اللہ کی طرف کیونکر دیکھ سکتا ہے۔

صاحب دِل آئینہ شش رو بود
حق درواز شش جہت ناظر شود
ہر کہ اندر شش جہت دارد مقر
کے کند در غیر حق یک دم نظر

مرد حق ہر حال میں اپنے اللہ ہی کے لئے ہوتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے تو اللہ کے لئے قبول کرتا ہے تو صرف اسی کا سہارا قبول کرتا ہے اس لیے صاحب دل اللہ کا منتخب بندہ ہوتا ہے۔

گر کند او از برائے او کند
در قبول آرد ہمو باشد سند
چونکہ او حق را بود در کل حال

Marfat.com
Marfat.com

بر گزیدہ باشد اوراز ذوالجلال

اللہ تعالیٰ صاحب دل کے علاوہ کسی کو عطا نہیں کرتا۔ یعنی نعمت صاحب دل کے ذریعے عطا ہوتی ہے۔ وہ نعمت خداوندی کا قاسم ہوتا ہے۔ حق کے ساتھ اس کا قرب واتصال بیان وگمان میں نہیں ہوسکتا۔ اس کا بیان محض تکلیف ہے۔

اللہ تعالیٰ مالداروں کے مال کو نہیں دیکھتا بلکہ دل کو دیکھتا ہے۔ کسی صاحب دل کو تلاش کرو اگر وہ دل تم سے راضی ہے تو اللہ بھی راضی ہے۔ صاحب دل مخلوق کی اصل ہے اللہ تعالیٰ اس دل کا طالب ہے جو قطب عالم ہے۔ جو جان جان آدم ہے۔

وہ دلوں کا شہنشاہ اس دل کا منتظر ہے جو نیکی اور نور سے پر ہے۔

آں دلے آور کہ قطب عالم است
جانِ جانِ جان آدم است
از برائے آں دلِ پر نور دبر
ہست آں سلطانِ دلہا منتظر

آخر میں مولانا فرماتے ہیں کہ تم ایک عرصہ تک اس سبزہ زار میں سرگرداں رہو گے لیکن از روئے اعتبار ایسا دل نہ پاؤ گے تو ایک مرجھایا ہوا بوسیدہ روح والا دل تابوت میں رکھ کر حضور شاہ میں لے جاؤ گے۔ وہ شہنشاہ تم سے کہے گا کہ یہ قبرستان نہیں ہے جہاں تم ایک مردہ دل اٹھا لائے ہو۔ جاؤ اور وہ دل لاؤ جو مزاج شاہانہ رکھتا ہو

نگاہِ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
شکار مردہ سزاوار شہباز نہیں

وہ دل جس کا وجود اس دنیا کے سبزہ زار میں امن وسلامتی کا باعث ہے۔ تم کہو گے کہ وہ دل اس دنیا میں کہاں مل سکتا ہے۔ کیونکہ نور وظلمت ایک دوسرے کی ضد ہیں اس نورانی دل کے ساتھ اس ظلمت تاب دنیا کی دشمنی روز اول سے جاری ہے وہ دل شہباز ہے اور یہ دنیا کوؤں کا شہر۔ اے مخاطب اگر تو بے جان نہیں ہے تو کسی صاحب دل کو تلاش کر اور اگر تو اس شہنشاہ ذوالجلال کا مخالف نہیں ہے تو خود صاحب دل بننے کی کوشش کر اور کسی صاحب دل کا ہم نشیں وہم جنس بن جا۔

صاحب دل جو اگر بیجاں نہ ٔ!
جنس دل شو گر ضد سلطان نہ ٔ!
بندہ یک مرد روشن دل شوی

Marfat.com
Marfat.com

بہ کہ برفرقِ سرِ شاہاں روی

صاحب فقر پیکرِ حریت ہوتا ہے آزادی وحریت اس کے رگ پے میں سمائی ہوتی ہے اسکی گھٹی میں پڑی ہوتی ہے۔ جب بندہ اپنے مولا کو مالک وخالق ورازق وحاکم حقیقی مان کر اپنا سر نیاز اس کی بارگاہ میں جھکا دیتا ہے تو اسے اس اطاعت کا صلہ نعمتِ حریت کی صورت میں عطا ہوتا ہے۔ اقبال مردانِ خدا کے عنوان سے بندہ حر کا تعارکراتے ہوئے کہتے ہیں۔

وہی ہے بندہ حر جس کی ضرب ہے کاری
نہ وہ کہ حرب ہے جسکی تمام عیاری
ازل سے فطرت احرار میں ہیں دوش بدوش
قلندری و قباپوشی و کلہ داری
زمانہ لے کے جسے آفتاب کرتا ہے
انہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری
وجو دانہیں کا طوافِ بتاں سے ہے آزاد
یہ ترے مومن وکافر تمام زناری

حریت وآزادی زندگی کی خوابیدہ قوتوں کو جگاتی، جلاتی اور نشو ونما دیتی ہے اس کے برعکس غلامی میں زندگی کی بھرپوری قوتیں بھی راہِ نمو نہ پاکر گھٹ کے رہ جاتی ہیں اور غلامی قوت ہائے حیات کے لئے پیغام اجل ثابت ہوتی ہے۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی

فقر زندگی کی بے پناہ قوتوں اور صلاحیتوں کے اظہار کا نام ہے اس لئے غلامی کی ضد ہے۔ حریت وآزادی فقر کا نمایاں وصف ہے۔ اقبال اپنی مثنوی پس چہ باید کرد میں ''مردحر'' کے عنوان سے حواشعار رقم کئے ان سے ایک مردِ فقر کی بہت سی خوبیاں اور عظمتیں آشکارا ہوتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مردِ حر ورد لاتخف سے محکم ہوتا ہے۔ یعنی اس کا خدا پر یقین اسے ہر خوف سے آزاد کر دیتا ہے۔ وہ میدانِ جہاد میں سربکف ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ہم سر میداں خوفِ جاں سے لرزاں وترساں پناہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ مردحر کا ضمیر نورِ لا الہ سے روشن ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کبھی کسی سلطان ومیر کا غلام نہیں ہوتا۔ حراونٹوں کی طرح بوجھ اٹھاتا ہے۔ سخت ترین مشقتیں اور اذیتیں جھیلتا ہے۔ مگر کسی دنیادار کے آگے جھکنا گوارا نہیں کرتا۔

Marfat.com
Marfat.com

مرد حر محکم ز ورد اتخف
ما میداں سر بجیب او سر بکف
مرد حراز الا الہ روشن ضمیر
می نگر دو بندہ سلطان د میر
مرد حر چو اشتراں بارے برد
مرد حر بارے برد خارے خورد

شیخ سعدی گلستان میں ایک ایسے ہی مردحر کی حکایت بیان کرتے ہیں۔

دو بھائی تھے ایک سلطان کی خدمت میں کمر بستہ رہتا تھا۔ اعلیٰ پوشاک پہنتا، زریں، پٹی باندھتا اور عیش و آرام کے ساتھ زندگی گزارتا تھا۔ دوسرا بھائی جو آزاد مرد تھا۔ جنگل سے لکڑیاں کاٹتا اور اپنی پیٹھ پر لاد کر شہر لاتا تھا اس کا لباس خارزاروں میں گھومنے سے تار تار اور بدن دریدہ رہتا تھا۔ ایک روز دونوں بھائی سرِ راہ ملے تو ملازم شاہ نے دوسرے بھائی سے کہا کہ تو سلطان کی خدمت کیوں نہیں کرتا کہ اس محنت و مشقت کی اذیت سے نجات حاصل کر لے اور میری طرف عیش و آرام سے زندگی گزارے۔ دوسرے بھائی نے جواب دیا مرے لئے ان بجھے چونے کا خمیر ہاتھوں سے گوندھنا اس بات سے زیادہ آسان ہے کہ میں کسی امیر و سلطان کے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑا رہوں۔ اقبال کہتے ہیں کہ مردحر سفر حیات میں جادہ زندگی پر اپنا قدم اسقدر مضبوطی کے ساتھ رکھتا ہے کہ اسکی گرمی سے نبض راہ پھڑکنے لگتی ہے۔ مردحر جنون بے خودی میں پائے استقلال رکھتا ہے اور اس کا محکم قدم صراط عشق سے کبھی لغزش نہیں کرتا۔

پائے خود را آنچناں محکم نہد
نبض راہ از سوز او بر می جہد

مردحر کے لئے موت زندگی، جاوداں کا ذریعہ ہوتی ہے اس لئے وہ موت سے ہراساں نہیں ہوتا بلکہ اسے موت سے پیار ہوتا ہے جو اسے زندہ تر کر دیتی ہے۔

مردحر کی زندگی محض وقت گزاری سے عبارت نہیں ہوتی اور نہ ہی لمحہ و ساعت صبح و مسا اور مہ و سال اس کی زندگی کا پیمانہ ہیں۔ بلکہ وہ اس زندگی جاوداں کا طالب ہوتا ہے جو پیہم دواں، ہر دم جواں رہتی ہے۔ بندہ حر کا وجود چمن دہر کے پھولوں کی سرخی و رعنائی کا سبب ہوتا ہے اس کے جلتے ہوئے دل کا دھواں ہماری آگ سے زیادہ روشن ہوتا ہے۔ اس کا سینہ قوتوں کی عظمت کے راز کا امین ہوتا ہے۔ اس کی روشن جبیں سے قوموں کی تقدیر ہویدا ہوتی ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

چہرہ گل از نم او احمراست
رآتش مادودِ او رشن تراست
دارد اندر سینہ تکبیر امم
در جبینِ اوست تقدیر امم

شاہانِ وقت اس کی غیرت فقر سے لرزاں ہوتے ہیں وہ دین کے رازوں کو صرف جانتا ہی نہیں بلکہ دیکھتا ہے۔ وہ محرم رازِ درونِ مہمان خانہ ہوتا ہے۔

بادشاہاں در قباہائے حریر
زرد رواز سہم آں عریاں فقیر
سرِ دیں مار اخبر اور انظر
اودرونِ خانہ مابیرونِ در

مردِ حر غیر سے بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ صرف اس کا بندہ ہوتا ہے (عبدہ) اگر چہ اس کا وجود اس جہانِ رنگ و بو میں سماتا پھر بھی اس جہانِ بے ثبات کے لئے باعثِ اثبات ہوتا ہے۔ موت اس اس کے لئے سفر زندگی کی منازل میں سے ایک منزل ہے۔ وہ سراپا کردار اور کم سخن ہوتا ہے۔ ہم گدایاں کوچہ گرد و فاقہ مست ہیں مگر بندہ حر فقر کی عطا کردہ تیغ لاالہ کا حامل ہوتا ہے۔ ہم ہوا کے بگولے میں قید تنکے کی طرح اڑتے پھرتے ہیں مگر مردِ حر اپنی ضرب کاری سے کوہ گراں توڑ کر جوئے شیر بہالاتا ہے۔

ماگدایاں کوچہ گرد و فاقہ مست
فقر او از لاالہ تیغے بدست
ماپرِ کاہے اسیر گرد باد
صبر بش از کوہِ گراں جوئے کشاد

مردانِ حر کی محبت انسان کو انسان بنا دیتی ہے۔

صحبت علم کتابی خوشتر است
صحبت مردانِ حر آدم گر است

مردِ حر صلح کے وقت گلشن میں نسیم بہار کے جھونکے کی طرح ہوتا ہے۔ اور جنگ کے لمحات میں شیران غاب سے بڑھ کر غضبناک ہوتا ہے۔ مردِ حر محکوم جہاں نہیں ہوتا بلکہ سارا جہاں اس کا محکوم ہوتا ہے اس لئے اسے کوئی لمحہ فراغت میسر نہیں ہوتا وہ ہمہ وقت مصروف عمل رہتا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندہ حر کے لئے جہاں میں فراغ

اقبال بندہ آزاد اور بندہ محکوم کا فرق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

آزاد کی اک آن ہے محکوم کا اک سال
کس درجہ گراں سیر ہیں محکوم کے اوقات
آزاد کا ہر لحظہ پیام ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگ مفاجات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات
محکوم کو پیروں کی کرامات کا سودا
ہے بندہ آزاد خود اک زندہ کرامات
اور ممکن نہیں محکوم ہو آزاد کا ہم دوش
وہ بندہ افلاک ہے یہ خواجہ افلاک

اقبال کی نظر میں غلامی پہ راضی ہونا کفر کے مترادف ہے وہ مسلماں کو خبردار کرتے ہیں کہ غلامی سے اپنی فطرت آزاد کو رسوا نہ کر۔ اگر تو نے غلامی اختیار کر لی تو تو برہمن سے بڑھ کر کافر ہے۔

از غلامی فطرت آزاد را رسوا مکن
تا تراشی خواجہ از برہمن کافر تری

اقبال کے نزدیک غلامی کی زندگی سے آزادی کی موت ہزار درجہ بہتر ہے۔ عبادات جسے قرآن نے مقصد تخلیق انس و جن قرار دیا ہے۔ غلامی میں ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ

قبل حق ہیں فقط مرد حر کی تکبیریں

آزادی و حریت انسان کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ جسے یہ متاع حریت حاصل ہو اور جس نے آزاد جینے کا مزہ چکھا ہو اسے دنیا کی کسی دوسرے نعمت کی احتیاج نہیں ہوتی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

اقلل من الدنیا تعش حرا
دنیا کی احتیاج کم کرو اور احرار کی طرح عیش دوام حاصل کر

Marfat.com
Marfat.com

سجۂ اقلل من الدنیا شمار
از تعش حُرا شوی سرمایہ دار

مردحر بندہ آزاد شیر کی طرح ہے اس کی زندگی کا ایک پل بھیڑ کی زندگی کے سو سال سے بہتر ہے۔

یک دم شیری بہ از صد سالِ میش

موت تو بندہ آزاد کے لیے ایک صید زبوں ہوتی ہے۔ بندہ آزاد موت پر اسطرح جھپٹتا ہے جیسے شاہیں کبوتر پر۔ محکوم ہر لمحہ موت کے خوف سے مرتا ہے۔ اور زندگی اس کے لئے حرام ہوتی ہے۔ مگر بندہ آزاد کی شان نرالی ہے۔ موت اس کے لئے نئی زندگی کا پیام لاتی ہے۔

بندہ آزاد را شانے دگر
مرگ او رامی دہد جانے دگر

مردحر بندہ آزاد خود اندیش ہوتا ہے مرگ اندیش نہیں اسے موت کا کوئی خوف نہیں ہوتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ آزاد مردوں کی موت ایک لمحہ سے زیادہ نہیں ہوتی

مرگ آزاداں زآنے بیش نیست

بندہ آزاد اپنے مولا سے اس موت کا طلبگار رہوتا ہے جو راہ شوق کی آخری منزل اور شہادت گاہِ الفت میں انتہا ہے۔ بندہ آزاد کے لئے موت باعث شکر اور ذریعہ حصولِ نعمت ہے کیونکہ یہ اسے جادہ شوق کی انتہا تک لے جا کر اپنی اصل سے واصل کر دیتی ہے۔ بندہ حر مشکلاتِ راہ کو خاطر میں نہیں لاتا مخالفت کے کوہ گراں کو پاؤں کی ٹھوکر سے گراتے ہوئے منزل کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے۔ وہ مردِ فقر جو سنگ راہ کو کانچ کی طرح ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔

شاہان وقت اس کے مطیع وفرمانبردار ہوتے ہیں۔

ہر کہ سنگ راہ را داند زجاج
گیر و آں درویش از سلطان خراج

اس مردحر کی ہیبت سے شاہانِ وقت کے بدن حریر و مرد سنجاب کی قباؤں میں لرزتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

صاحب فقر متوکل علی اللہ ہوتا ہے

رمز الکاسب حبیب اللہ شنو
از توکل در سبب غافل مشو

اہل فقر کا ایک اور نمایاں وصف عزم و توکل ہے توکل علی اللہ کا معنی ہے اللہ پر بھروسہ!
توکل کا مفہوم اقبال کی نظر میں کچھ یوں ہے۔

توکل کا یہ مطلب ہے کہ خنجر تیز رکھ اپنا !
پھر انجام اس کی تیزی کا مقدر کے حوالے کر

مرشد رومیؒ نے ایک حدیث پاک کی تلمیح کے ساتھ توکل کا مفہوم اسطرح واضح کیا ہے عہد نبوت کا واقعہ ہے کہ ایک اعرابی مسجد نبوی شریف میں نماز پڑھنے کے لئے آیا اس نے اپنا اونٹ مسجد کے دروازے پر کھلا چھوڑ دیا۔ نماز پڑھ کر باہر آیا تو اونٹ غائب تھا۔ حضور سرور عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شکایت کی آپ نے فرمایا تم نے اونٹ کو باندھا تھا؟ اس نے عرض کیا میں نے اسے اللہ توکل پر کھلا چھوڑ دیا تھا۔ حضور سید عالم ﷺ نے باواز بلند ارشاد فرمایا اللہ پر توکل کرو ساتھ ہی اونٹ کا گھٹنا بھی باندھو

گفت پیغمبر باواز ے بلند
توکل زانوے اشتر بہ بند

ایک اور مقام پر مولانا روم فرماتے ہیں اگر توکل کرنا ہے تو کسی کام میں کرو پہلے کھیتی میں ہل چلا کر بیج ڈالو اس کے بعد اس ذات جبار پر تکیہ کرو۔

گر توکل می کنی در کار کن ۔
کشت کن پس تکیہ بر جبار کن

حضرت ابراہیم ادھمؒ اور حضرت شفیق بلخیؒ کی ملاقات مکہ معظمہ میں ہوئی ابراہیمؒ نے پوچھا تم نے یہ مقام فقر کیسے پایا حضرت شفیق بلخیؒ نے جواب دیا۔ ایک مرتبہ مرا گزر ایک بیاباں سے ہوا میں نے ایک پرندے کو پڑا دیکھا جس کے دونوں بازو ٹوٹے ہوئے تھے میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ دیکھوں تو اسے اس حال میں کیسے رزق پہنچتا ہے۔ میں وہاں بیٹھ گیا کچھ دیر بعد ایک پرندہ آیا جس کی چونچ میں ایک ٹڈی تھی جو اس نے پڑے ہوئے پرندے کے منہ میں ڈال دی۔ میں نے سوچا کہ وہ رزاق عالم جو ایک پرندے کے ذریعے دوسرے پرندے کو رزق پہنچاتا ہے۔ میرا رزق بھی مجھے ہر حال میں پہنچاتا رہے گا لہذا میں نے سب کاروبار چھوڑ دیئے اور ہمہ وقت مصروف عبادت رہنے لگا۔

Marfat.com
Marfat.com

حضرت ابراہیم بن ادھم نے فرمایا۔ اے شفیق تم نے مجبور و معذور پرندہ بننا پسند کیا اور تندرست پرندہ بننا پسند نہ کیا کہ تمہیں مقام بلند نصیب ہوتا کیا تم نے فرمانِ نبوی نہیں سنا کہ ''اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے ''مومن تو ہمیشہ بلندی درجات کی تمنا کرتا ہے۔

اقبال کہتے ہیں کہ بندہ حق عزم وتوکل کے بل بوتے پر قوت وشوکت کا حامل ہوتا ہے۔ یہ دو خصوصیات ایمان کا جوہر ہیں اگر مسلمان ان دو جوہر ایماں سے عاری ہے تو وہ مومن نہیں ہے۔

مومن از عزم و توکل قاہر است
گر ندار ایں دو جوہر کافر است

صاحب عزم وتوکل خیر کو شر سے پہچانتا ہے اسکی نگاہ خارا شگاف سے عالم زیر وزبر ہو جاتا ہے۔ اس کی ضرب سے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور اس کے گریباں میں ہزاروں ہنگامہ ہائے حشر پنہاں ہوتے ہیں۔

خوشا وہ مرد فقیر کہ جو غیر اللہ کی غلامی سے آزاد ماسوی اللہ سے بے نیاز ہے جو محبوب حقیقی کے علاوہ کسی سے دل نہیں لگاتا۔

اے خوش آں مردے کہ دل باکس نداد
بند غیر اللہ را از پا کشاد !

اس کی نگاہ میں بادشاہوں کے محلات دیرینہ صنم خانے ہیں۔ اس کی غیرت فقر حکم غیر کو برداشت نہیں کرتی۔ اس کے کان صرف اس درس وحدت سے آشنا ہوتے ہیں کہ ''اللہ بس باقی ہوس'' اس لئے وہ کسی کے دام میں نہیں آتا

در نگاہش قصرِ سلطاں کہنہ دیر
غیرت او بر نتابد حکم غیر
درس او اللہ بس باقی ہوس
تا نیفتد مرد حق در بندِ کس

زندگی کی شاخِ تاک میں سوز اسی کے نم سے ہے اور اس مشتِ خاک میں جان پاک اسی کے دم سے ہے۔ صاحب عزم وتوکل معنی جبریل وقرآن ہوتا ہے وہ فطرۃ اللہ کا نگہبان ہوتا ہے اسکی حکمت ودانائی عقلِ ذوفنوں سے کہیں برتر وبالا ہوتی ہے۔ اس کا ضمیر ایک قوم کی پرورش گاہ ہوتا ہے۔ وہ حکمران ہوتا ہے مگر تاج وتخت سے بے نیاز نہ اسے کلاہ کی ضرورت ہوتی ہے نہ حاجتِ سپاہ وخراج۔

حکمرانے بے نیاز از تخت و تاج
بے کلاہ بے سپاہ و بے خراج

Marfat.com
Marfat.com

صاحب فقر پیکر تسلیم و رضا ہوتا ہے

صاحب فقر پیکر تسلیم و رضا ہوتا ہے اسے وصل مولا کی بجائے رضائے مولا کی طلب ہوتی ہے۔ کیونکہ وصال تو اسے پہلے سے حاصل ہوتا ہے۔ نحن اقرب الیہ من حبل الورید کے مصداق قرب کریم کا احساس اس کے لئے نشاطِ وصل کا سامان ہوتا ہے۔

زندگی تسلیم و رضا سے محکم ہوتی ہے اور بندہ حق رہ حیات پر رضائے الٰہی کی طلب میں گامزن ہوتا ہے اور مقام رضا حاصل کر کے مثال انجم تابناک بن جاتا ہے۔

از رضا مسلم مثال کوکب است
در رہ ہستی تبسم بر لب است

اپنی مرضیات کو رضائے حق میں فنا کر دیتا ہے تو خود تقدیر الٰہی بن جاتا ہے۔ پھر مرضیٔ حق اس کی رضا میں گم ہو جاتی ہے۔

چوں فنا اندر رضائے حق شود
بندہ مومن قضائے حق شود
در رضائش مرضی حق گم شود
ایں سخن کے باور مردم شود

اقبال مقام رضا میں وصال کی بجائے فراق کے طلبگار ہیں وہ ہجر کو وصل پر ترجیح دیتے ہیں۔

عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
وصل میں مرگِ آرزو ہجر میں لذت طلب

اقبال کہتے ہیں کہ یہ فراق ہی ہے جسکی بدولت ہمارے سینے آرزوؤں سے آباد رہتے ہیں۔ تم محبوب حقیقی کا وصال چاہتے ہو اور اس کے دیدار جمال سے اپنی نگاہوں کو ٹھنڈا کرنا چاہتے ہو مگر یاد رکھو کہ جب وہ جمال دل فروز بے نقاب ہو گا تو تم نہیں رہو گے۔

از فراق است آرزوہا سینہ تاب
تو تمنائی چو شود او بے حجاب

تو تمنائی چو شود او بے حجاب کی شرح فارسی کے دیگر شعرا کی زبان سے سنیے

مرا گوید چرا چشم از رخ من برنمی داری

Marfat.com
Marfat.com

ازاں درپیش خورشید ش ہمی دارم کہ نم دارم

بجا ہے کہ خورشید کے سامنے شبنم کب ٹھہر سکتی ہے۔

من شمع جانگدازم تو صبح دلربائی

نے تاب وصل دارم نے طاقتِ جدائی

بھلا شمع جانگداز اور صبح دلربائی کا وصال کیوں کر ممکن ہے

اقبال کہتے ہیں کہ اگر چہ جدائی کی شدت سے تیری جاں لبوں پر ہی کیوں نہ آجائے محبوب حقیقی کا وصال نہ مانگ، اس کی رضا کا طلبگار رہ۔

از جدائی گرچہ جاں آید بلب

وصل اوکم جو رضائے اوطلب

حضور سرور عالم ﷺ نے محبوب حقیقی کی رضا طلبی کا حکم فرمایا ہے۔

اور اس سے بڑھ کر احکام دین میں کوئی شے نہیں۔

مصطفیٰ ﷺ داد از رضائے او خبر

نیست دراحکام دیں چیزے دگر

وصل وفراق کی گرہ اقبال اپنی نگاہِ بصیرت سے اس طرح کھولتے ہیں۔ کہ ہمارا وصال وصال اندر فراق ہے۔ جسطرح موتی سیپ میں بند آغوش دریا میں گم ہوتا ہے۔ مگر آب دریا گہر نہیں ہوتا۔

وصال ماوصال اندر فراق است

کشود ایں گرہ غیر از نظر نیست

گہر گم گشتہ ء آغوشِ دریاست

و لیکن آب بحر آب گہر نیست

ایک اور مقام پر مقاماتِ وصال اور وصال کو مقامات جدائی میں سے قرار دیتے ہوئے بتاتے ہیں انسانی خودی جو نور حق سے روشن ہے اس کی تمام تر رسائیاں نارسائی کے دم سے ہیں۔

خودی روشن ز نورِ کبریائی است

رسائی ہائے اُو از نارسائی است

جدائی از مقاماتِ وصالش

وصالش از مقاماتِ جدائی است

Marfat.com
Marfat.com

زندگی میں ہنگامہ ہائے آرزو وشوق فراق ہی کے دم قدم سے ہیں۔ اس لئے صاحب فقر کیلئے فراقِ یار وصلِ غیر سے خوشتر ہے۔

اے کہ نزدیک تراز جانی و پنہاں زنگہ
ہجر تو خوشترم آید زوصالِ دگراں

اقبال کی ہجر وفراق پسندی کا یہ عالم تھا کہ جب خواجہ حسن نظامی نے انہیں ستر الوصال کا خطاب دیا تو انہوں نے جواب میں لکھا کہ میں ستر الفراق کہلوانا زیادہ پسند کروں گا۔ اس فراق پسندی کا سبب یہ ہے کہ اقبال درد وسوز و آرزو اور ذوق شوق ہی کو زندگی کی حقیقت سمجھتے ہیں اور سوز وساز و ذوق وشوق کے اسقدر متوالے ہیں کہ اس خاکدانِ ارضی کو اپنے لئے فردوسِ بریں سے خوشتر قرار دیتے ہیں کیونکہ یہ مقام ذوق شوق ہے یہ حریم سوز وساز ہے۔

مرازیں خاکدانِ من ز فردوس بریں خوشتر
مقام ذوق وشوق است ایں حریم سوز وساز است ایں

اقبال کے نزدیک سوز حیات حقیقت ایمان کے مترادف ہے۔ یہ درد وسوز اور جذب وشوق حضرت انسان کا طرہ امتیاز ہے اور یہی وہ نمایاں وصف ہے جو انسان کو فرشتوں پر فضیلت عطا کرتا ہے۔

نہ کر تقلید اے جریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح وطواف اولیٰ

اقبال ارمغان حجاز کی دو رباعیوں میں بحضور حق اس طرح عرض کرتے ہیں۔ اے خدا ترے لیے وہ کشمکش جو طلب وآرزو میں پوشیدہ ہوتی ہے نہیں ہے تو درد وداغ اور تب وتاب سے بے نیاز ہے میں اسی لئے لامکاں سے بھاگا ہوں کہ وہاں نالہ ہائے نیم شب نہیں ہے۔ وہاں ہجر وفراق کی لذتیں نہیں ہیں۔ وہاں درد وداغ وسوز وتب نہیں ہے۔

ترا ایں کشمکش اندر طلب نیست
تیرا ایں درد و داغ و تاب و تب نیست
ازاں از لامکاں بگر یختم من
کہ آں جانا لہ ہائے نیم شب نیست

دوسری رباعی میں یوں گویا ہوتے ہیں کہ جبریل میں اس جہاں شوق کی ہاؤ ہو سے ناواقف ہے کیونکہ وہ مقام جستجو کو نہیں پہچانتا۔ اپنے اس بندہ بیچارہ سے پوچھ جس نے جام شوق چکھا ہے اور جو نیش آرزو کھائے ہوئے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

نداند جبرائیل ایں ہاؤ ہو را
کہ نشناسد مقام جستجو را
پرس از بندۂ بیچارۂ خویش
کہ داند نیش و نوشِ آرزو را

فقر اسی سوز و درد و داغ و آرزو سے عبارت ہے۔ اہل فقر سراپا درد و سوز ہوتا ہے۔ فقر کی آبرو گرمی آرزو میں ہے۔ فقر کی آبرو اپنے ہی خون میں تڑپنے تپنے اور جلنے میں ہے۔

فقر سوز و درد و داغ و آرزوست
فقر را درخوں تپیدن آبروست

اسی لئے اہل فقر کا عقیدہ و ایمان ہے

امتحان پاک مرداں از بلاست
تشنگاں را تشنہ تر کردن رواست

الغرض فقر ذوق و شوق اور تسلیم و رضا کا نام ہے۔ ہم اس دولت فقر کے امین ہیں اور یہ ہمارے آقا و مولا حضور پرنور سید عالم ﷺ کی وہ متاع عظیم ہے جس پر انہیں فخر ہے۔

فقر ذوق و شوق تسلیم و رضا ست
ما امینیم ایں متاع مصطفیٰ ست

خاصان خدا کا امتحان بلاؤں سے ہوتا ہے اور راہ محبت میں پیاسوں کو تشنہ تر کرنا ہی روا ہے۔ یہ وہ راہ ہے جو سراسر خارزار ہے اور اس راہ پر چلنے والے راہ رو برہنہ پا ہیں۔ انہیں اپنی منزل تک پہنچنے کے لئے رضا سے سواری طلب کرنا ہوگی۔

راہ رواں برہنہ پا راہ تمام خارزار
تا بہ مقام خود رسی راحلہ از رضا طلب

Marfat.com
Marfat.com

فقر و شاہینی

تو مرغ سرائی خورش از خاک بجوئی
ما در صددِ دانہ با نجم زدہ منقار

شاہین کے ساتھ اقبال کے خصوصی انس اور تعلق خاطر کا سبب یہ ہے کہ اس پرندے میں فقرِ غیور کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ مثلاً یہ کہ شاہین خوددار اور غیرت مند ہوتا ہے۔ دوسروں کا مارا ہوا شکار نہیں کھاتا آشیاں سے بے نیاز ہوتا ہے۔ بلند پرواز اور تیز نگاہ ہوتا ہے۔ خلوت پسند و خلوت نشیں ہوتا ہے۔

اقبال نے اپنی ایک نظم شاہین۔ میں ان جملہ خوبیوں کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

کیا میں نے اس خاکداں سے کنارا
جہاں رزق کا نام ہے آب و دانہ
بیاباں کی خلوت خوش آتی ہے مجھ کو
ازل سے ہے فطرت مری راہبانہ
حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں
کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
جھپٹنا پلٹنا ، پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
یہ پورب یہ پچھم چکوروں کی دنیا
مرا نیلگوں آسماں بیکرانہ
پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

اقبال کوہ بیاباں کی خلوتوں کو مراحل تربیت خودی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ کھلی فضاؤں میں آزادی و حریت کا احساس قوی ہوتا ہے۔ کھلی فضاؤں میں پروان چڑھنے والوں کی جسم و جان اور قلب و دماغ کی صلاحیتیں شہروں کی گھٹن اور تنگ و تاریک ماحول میں پلنے والوں کی نسبت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں ایسے ماحول میں جہاں ہر طرف حسنِ فطرت آشکار ہو انسان فطرت سے قریب ہو کر خالقِ کائنات کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ اس کے دل پر خالق عظیم کی قدرت و عظمت کا نقش دوام ثبت ہوتا ہے۔ اور وہ کائنات کے رازہائے سربستہ کا امین بن جاتا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

مدرسے نے تری آنکھوں سے چھپا یا جسکو
خلوتِ کوہ و بیاباں میں وہ اسرار ہیں فاش

کھلی فضاؤں میں ایک تو انسان حسنِ فطرت اور ماحول کی تروتازگی سے فیض یاب ہوتا ہے دوسرا دشت و صحرا کی پہنائیاں شہروں کی طرح ایک ایک انچ زمین پر ملکیت غیر کی پابندیوں اور حدود و قیود سے آزاد ہوتی ہیں اس لئے اقبال بیاباں کی خلوتوں کو شہر کی رونقوں پر ترجیح دیتے ہیں۔

ہو ترے بیاباں کی ہوا تجھ کو گوارا
اس خاک سے بہتر ہے نہ ولی نہ نجارا
جس سمت میں چاہے صفتِ سیل رواں چل
وادی یہ ہماری ہے یہ صحرا بھی ہمارا

بال جبریل میں ''محراب گل افغان کے افکار'' کے باب میں بندہ صحرائی اور مرد کہستانی کی تعریف اسطرح کرتے ہیں۔

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندہ صحرائی یا مرد کہستانی
دنیا میں محاسب ہے تہذیب فسوں گر کا
ہے اس کی فقیری میں سرمایہ سلطانی
یہ حسن و لطافت کیوں یہ قوت و شوکت کیوں
بلبل چمنستانی شہباز بیابانی

اقبال کہسار کی خلوت کو بجائے تعلیم خود آگاہی قرار دیتے ہیں۔

کہسار کی خوت ہے تعلیم خود آگاہی

شاہین بھی اپنے درویشانہ مزاج کی وجہ سے بیاباں کی خلوتوں میں خوش رہتا ہے اور کھلی فضاؤں میں آزادیوں کے ساتھ مائل پرواز ہوتا ہے۔

شاہین کی عالی ہمتی اور بلند پروازی ضرب المثل ہے۔

شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پر دم ہے اگر تو تو نہیں خطرۂ افتاد

پیام مشرق کی ایک نظم شاہین و ماہی'' میں اقبال نے ایک شاہین بچہ اور ماہی بچہ کے درمیان مکالمہ تحریر کیا

Marfat.com
Marfat.com

ہے۔ ماہی بچہ دریا کی وسعتوں میں سیلابوں اور نہنگوں کے درمیان اپنی بیباکانہ روانی پر اتراتا ہے تو شاہین بچہ اسے یہ کہہ کر لاجواب کر دیتا ہے کہ میں شاہین ہوں مرا زمین کی پستیوں سے کیا کام صحرا ہوں کہ دریا سب میرے بال و پر کے نیچے ہیں۔

زد بانگ کہ شاہینم و کارم بہ زمین چیست
صحراست کہ دریاست تہ بال و پر ماست

شاہین آشیانہ نہیں بناتا کہ یہ بات اس کی مجاہدانہ زندگی کے خلاف ہے وہ اس جہاں میں درویشانہ زندگی بسر کرتا ہے شاہوں کے قصر و ایواں اس کی نگاہ میں پرکاہ کے برابر ہمت نہیں رکھتے۔

گزر اوقات کر لیتا ہے یہ کوہ و بیاباں میں
کہ شاہیں کے لئے ذلت ہے کار آشیاں بندی

سلاطین و ملوک کی دست آموزی سے شاہین اپنی صفات کھو دیتا ہے۔ اقبال کے نزدیک بادشاہوں کے بازو پر بیٹھنے والا سدھایا ہوا باز مرگھٹ پر بیٹھنے والے مردار خور کوئے سے بھی بدتر ہے ۔

زمیں گیر ایں کہ زاغِ و خمہ بہتر
ازاں بازے کہ دست آموزِ شاہیست

غیرت و جرأت شاہین کے نمایاں اوصاف ہیں محض بلند پروازی اسکی شاہینی کا ثبوت نہیں ہے۔ یوں تو کرگس بھی بیکراں فضاؤں میں محو پرواز رہتا ہے مگر وہ شکار زندہ کی لذت سے محروم ہوتا ہے۔ اس میں شاہین کی جرأت و غیرت اور عقابی دل و نگاہ نہیں ہوتے اس لئے سرِ محبت سے بیگانہ رہتا ہے ۔

بلند بال تھا لیکن نہ تھا جسور و غیور
حکیم سرِ محبت سے بے نصیب رہا
پھرا فضاؤں میں کرگس اگرچہ شاہیں وار
شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب رہا
نگاہ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
شکارِ مردہ سزاوارِ شاہباز نہیں

شاہین عاشق فطرت ہوتا ہے اور اس کے مزاج میں ہوس کی فرومائیگی نہیں ہوتی۔

عشق طینت میں فرد مایہ نہیں مثل ہوس
پر شہباز سے ممکن نہیں پرواز مگس

Marfat.com
Marfat.com

شاہیں کا تجسس اور اسکی نگاہِ تیز کارگہءحیات میں اس کی کامرانی کی ضامن ہوتی ہے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو بندہ مومن کا سرمایہ حیات ہیں۔

چیتے کا جگر چاہیے شاہیں کا تجسس
جی سکتے ہیں بے روشنی دانشِ افرنگ

جسطرح بندگانِ حق کو ہمیشہ ابتلا و آزمائش کا سامنا رہتا ہے اور پوری پامردی کے ساتھ قدم قدم پر بلاؤں کا مقابلہ کرتے ہوئے جادہ استقامت پر گامزن رہتے ہیں اسی طرح شہباز و شاہیں کے لئے بھی زندگی سراپا امتحان ہوتی ہے۔ زاغ و زغن کے بال و پر کو قید و بند کی سعادتیں کیسے میسر آتی ہیں یہ شرف صرف شاہیں کا مقدر ہے۔

شہپرِ زاغ و زغن در بندِ قید و صید نیست
ایں سعادت قسمتِ شہباز و شاہیں کردہ اند

اقبال بندہ حق کو اس کے مقام رفیع سے آگاہ کرتے ہیں اور اسکی قوتِ پرواز کا احساس دلاتے ہیں۔ وہ اسے بحر دار کرتے ہیں کہ اے مسلماں کنج گلشن میں مرغان چمن کے ساتھ آرام و آسائش کی زندگی ترے شایانِ شان نہیں۔ ترے بازوؤں میں شہباز کی سی قوت پرواز ہے تجھے ان پستیوں سے بہت اونچا اڑنا ہے۔

میانِ شاخساراں صحبتِ مرغِ چمن کیسی
ترے بازو میں ہے پرواز شاہین قہشانی

صاحب فقر بندہ مومن اپنی بلند پروازی کے ذریعے شہباز کی طرح بحر و بر پر چھایا ہوا ہوتا ہے۔ اس کے سامنے مشرق و مغرب کی دوریاں کوئی معنی نہیں رکھتیں شاہین سخت کوشی اور بلند ہمتی کے سبب سرفراز ہوتا ہے، وہ سختی منزل کو اپنا سامانِ سفر سمجھتا ہے۔ وہ اس راز حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ وہ سختی منزل کو اپنا سامان سفر سمجھتا ہے۔ وہ راز حقیقت سے آشنا ہوتا ہے کہ جذب خاک سے آزاد ہوئے بغیر لذتِ پرواز کا حصول ممکن نہیں اور زندگی فقط ذوق پرواز کا نام ہے حیات ذوق سفر کے سوا کچھ اور نہیں

اقبال کی نظر میں صاحب فقر شاہینِ شہ لولاک ہے فرشتہ و حور اس کے صید زبوں ہیں۔

ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تو
فروغِ دیدہ افلاک ہے تو
ترے صید زبوں فرشتہ و حور
کہ شاہینِ شہ لولاک ہے تو

اقبال کو شکایت ہے کہ غلامانہ طرز حیات نے بندہ مومن کی شاہینی صفات کو زائل کر دیا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

فیضِ فطرت نے تجھے دیدہ شاہین بخشا
جس میں رکھ دی ہے غلامی نے نگاہِ خفاش

یہی شکایت انہیں خداوندانِ مکتب سے بھی ہے کہ وہ ملت کے شاہین بچوں کو خاکبازی کا سبق دے رہے ہیں۔

شکایت ہے مجھے یارب خدا وندانِ مکتب سے
سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

شاہینی صفات عطائے فقر کی ہیں
اس فقر سے آدمی میں پیدا اللہ کی شانِ بے نیازی
کنجشک وحمام کے لئے موت ہے اس کا مقام شاہبازی

اقبال شاہینی کا راز افشا کرتے ہوئے فرماتے ہیں اگر ایک قطرہ خون اور ایک مشتِ پر رکھتا ہے۔ تو آ میں تجھے طریق شاہبازی سکھادوں۔

اگر ایک قطرہ خوں داری اگر مشتے پر ے داری
بیا من با تو آموز م طریق شاہبازی را

Marfat.com
Marfat.com

اقبال ایک مردِ فقیر

پیغامبر خودی حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ خود بھی بجا طور پر فقر و درویشی کے پیکر تھے۔ فقر و درویشی کی جو کیفیات ان کے کلام میں پائی جاتی ہیں وہ ان کے وارداتِ قلبی میں سے ہیں۔ اقبال کا فقیرانہ مزاج ایک تو ان کے گھریلو ماحول اور والدین کی تربیت کا نتیجہ ہے دوسرا ان کے مطالعہ قرآن اور مثنوی مولانا روم کے مطالعہ کا نتیجہ ہے جسے اقبال نے زبان پہلوی میں قرآن قرار دیا ہے۔

روئے خود بنمود پیر حق سرشت
کو بحرفِ پہلوی قرآں نوشت

اقبال کے والد محترم ایک سچے عاشق رسول اور صوفی باصفا تھے ان کی ابتدائی تربیت کا اقبال کے درویشانہ مزاج کی تشکیل میں بڑا اہم اور بنیادی کردار ہے۔

رموز بے خودی میں اقبال "در معنی ایں کہ حسنِ سیرت ملیہ از تادب بآداب محمدیہ ؐ است" کے عنوان کے تحت اپنے لڑکپن کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک سائل ہمارے دروازے پر آیا اور مسلسل صدا لگانے لگا۔ مجھے اس کے اسطرح مسلسل صدا لگانے پر بہت غصہ آیا۔ میں نے غضب ناک ہو کر اس کے سر پر لکڑی دے ماری میرا عنفوانِ شباب تھا اور آغاز جوانی میں نوجوان کو نیک و بد کی تمیز کم ہوتی ہے۔

میری اس بدمزاجی پر مرے والدِ محترم بہت آزردہ ہوئے ان کا چہرہ زرد ہو گیا ان کے لبوں سے ایک آہِ جگر تاب نکلی اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ ان کی یہ حالت دیکھ کر میری جان بدن میں لرزنے لگی۔ انہوں نے مجھ سے فرمایا۔ کل جب روز حشر حضور سرور عالم ﷺ کی ساری امت آپ کے گرد جمع ہو گی۔ اس وقت اگر مجھ سے مرے آقا مولاؐ نے پوچھ لیا کہ حق نے ایک جوانِ مسلم تیرے سپرد کیا تھا۔ تو نے اسے میرے آداب کیوں نہ سکھائے تم سے ایک آسان سا کام بھی نہ ہو سکا کہ تو اسے تربیت کر کے انسان بناتا۔ پھر والد محترم نے مجھ سے فرمایا کہ اے فرزند ذرا امتِ خیر البشرؐ کے اس اجتماع کو یاد کر اور پھر میری اس سفید ریش کی طرف دیکھ اور مجھے امید و بیم سے لرزتا ہوا دیکھ۔

اے پسر! اپنے باپ پر یہ ناز یبا ستم نہ کر اسے اپنے مولا کے حضور رسوا نہ کر

پدر ایں جور نازیبا مکن
پیش مولا بندہ را رسوا مکن

اے فرزند تو شافعِ مصطفیٰؐ کا غنچہ ہے سیرتِ مصطفیٰؐ کی باد بہار کے جھونکوں سے کھل کر پھول بن جا اس بہار

Marfat.com
Marfat.com

جانفزا سے رنگ و بو حاصل کر حضور سید عالم ﷺ کے خلق عظیم سے اپنا حصہ لے۔

غنچہ از شا خسار مصطفیٰ
گل شواز بادِ بہار مصطفیٰ

از بہارش رنگ و بو بالا گرفت
بہرۂ از خلقِ او باید گرفت

قرآں حکیم کی عظمت کا جو نقش اقبال کے قلب پر مرتسم تھا اور حکم قرآنی کا انہیں جس قدر پاس تھا اس کا اندازہ ایک واقعہ سے ہوتا ہے۔

یہ واقعہ اقبال کے بھتیجے جناب شیخ اعجاز احمد نے ۹ نومبر ۱۹۸۸ کو یوم اقبال کے موقع پر ایک ٹووی پروگرام میں بیان کیا انہی کی زبانی سنیئے۔

ہماری چھوٹی پھوپھی زینب کی شادی کے بعد چار سال تک کوئی اولاد نہ ہوئی تو ان کی ساس نے اپنے بیٹے کی دوسری شادی کردی۔ اس پر پھوپھی میکے واپس آگئیں اور ہمارے ساتھ رہنے لگیں کئی سال بعد جب کہ ہمارے پھوپھا کی والدہ فوت ہوچکی تھیں انہوں نے کوشش کی کہ پھوپھی کو منا کر اپنے گھر لے جائیں چنانچہ بڑی کوششوں کے بعد میاں جی (والد علامہ اقبالؒ) سے یہ بات منوالی جب ہمارے پھوپھا اپنی برادری کے ساتھ اس مقصد کے لئے ہمارے ہاں آئے انہی دنوں علامہ اقبال چھٹیوں میں گھر آگئے تھے انہیں اس معاملہ کی کوئی خبر نہ تھی ۔ جب انہیں پتہ چلا کے یہ لوگ ہماری پھوپھی یعنی اقبالؒ کی ہمشیرہ صاحبہ کو منا کر لے جانے کے لئے آئے ہوئے ہیں تو وہ بہت برافروختہ ہوئے اور کہا یہ ناممکن ہے انہیں کہیے کہ یہاں سے چلے جائیں۔ میاں جی نے اقبال کو اسطرح غصے میں دیکھا تو فرمایا۔ اقبال قرآن کا تو یہ حکم ہے والصلح خیر اور تم اس صلح کی مخالفت کر رہے ہو۔ یہ سننا تھا کہ اقبال کا تمام غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور وہ خاموش ہوگئے۔ کچھ تامل کے بعد میاں جی نے پوچھا اقبال بتاؤ پھر اس معاملہ میں کیا کیا جائے تو اقبال نے جواب دیا وہی جو قرآن کا حکم ہے۔ اقبال کو قرآن کا اسقدر پاس تھا۔ اور اسی تعلق بالقرآن ہی کا فیضان تھا کہ اقبال دانائے راز بن گئے خود فرماتے ہیں کہ مجھے دیکھو کہ ہندوستان میں تمہیں کوئی دوسرا دکھائی نہیں دے گا جو برہمن زادہ ہوکر رمز آشنائے روم وتبریز ہو۔

مر ابنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادہ رمز آشنائے روم و تبریز است

دانائے راز علامہ اقبالؒ صرف راز حیات سے آشنا ہی نہیں بلکہ اس متاع دردوسوز کے حامل اور امین تھے جسے وہ متاع زندگی سمجھتے ہیں۔ ان کا کلام اسی دل دردآشنا کی فغاں ہے جس کی نارسائی کا شکوہ انہیں زندگی بھر رہا

Marfat.com
Marfat.com

اور آج بھی ہے۔ روح اقبال زبانِ حال سے پکارتی ہے۔ مری متاعِ حقیقی دلِ درد آشنا ہے جسکی فغانِ نارسا ہی میرا نصیب ہے۔ میری خاک مرقد پر لالے کا پھول ہی خوشتر ہے کہ مری طرح تنہا و خاموش اور خونیں قبا ہے۔

متاع من دلِ درد آشنائے است
نصیب من فغانِ نار سائے است
بخاک مرقد من لالہ خوشتر
کہ ہم خاموش ہم خونیں قبائے است

اقبال کی شاعری اس کی قلندری اور آزادگی کا ترانہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
وگرنہ شعر مرا کیا ہے شاعری کیا ہے

قلندری اور آزادی اقبال کے رگ و پے میں سمائی ہوئی نظر آتی ہے انہیں اپنی اس بے نیازانہ روش پر بجا طور پر ناز ہے۔

ان کی انہی فقیرانہ روش نے انہیں شاہان وقت سے بے نیاز رکھا

کہاں سے تو نے اے اقبال سیکھی ہے یہ درویشی
کہ چرچا بادشاہوں میں ہے تری بے نیازی کا
دلِ بے نیازے کہ در سینہ دارم
گدارا دہد شیوۂ پادشاہی
زآستانہ سلطاں کنارہ می گرم
نہ کافرم کہ پرستم خدائے بے توفیق

ان کا دل علم و خبیر غیر سے اس درجہ بے نیاز اور غیرت فقر کا حامل ہے کہ خدا سے اسکی خدائی کی زکوٰۃ بھی قبول نہیں کرتا۔

تھا یہ فرمانِ الٰہی کہ شکوہ پرویز
دو قلندر کو کہ ہیں اس میں ملوکانہ صفات
مجھ سے فرمایا لے اور شہنشاہی کر
حسنِ تدبیر سے دے آنی و فانی کو ثبات
میں تو اس بار امانت کو اٹھاتا سر دوش

Marfat.com
Marfat.com

کام درویش میں ہر تلخ ہے مانند نبات
غیرت فقر مگر کر نہ سکی اسکی قبول
جب کہا اس نے یہ ہے میری خدائی کی زکوٰۃ

اقبال کی عظمت اوران کے کلام میں اثران کی قلندری کے سبب ہے خودفرماتے ہیں۔

اگر جہاں میں مرا جوہر آشکارہ ہوا
قلندری سے ہوا ہے تو نگری سے نہیں

گلشن راز جدید'' کی تمہید میں اپنی قلبی کیفیتوں کا احوال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے رخ معنی سے نقاب کھنچا ہے۔اور ذرے کے ہاتھوں میں آفتاب دے دیا ہے۔ مجھے دیگر افسانہ طراز شاعروں کی مانند نہ سمجھنا کہ بے پئے جوشراب ومستی کی باتیں کرتے ہیں۔ میں نے جو کچھ کہا شراب معرفت میں سرشار ہوکر کہا ہے تم اس سے زیادہ مردفرومایہ نہیں دیکھیں گے جس نے مجھ پرشعروسخن کی تہمت باندھی۔

من اے میر امم داد از تو خواہم
مرا یاراں غزل خوانے شمردند
کشودم از رخ معنی نقابے
بدست ذرہ دادم آفتابے
نہ بیداری کہ من بے بادہ ستم
مثال شاعراں افسانہ بستم
نہ بینی خیرازاں مرد فرودست
کہ برمن تہمتِ شعرو سخن بست

مجھے کوچہ دلبرانِ حیاں سے کوئی کام نہیں نہ آمیرے پاس وینا وی معشوقوں کے غم کھانے والا دل زار ہے۔میری خاک بدن خاک ،رہگذر نہیں ہے اس خاک میں رہنے والا دل بے اختیار ومجبور ہے۔ میں شاعروں ،افسانہ طرازوں کی طرح رقیب وقاصدودرباں سے سروکار نہیں رکھتا اور گل وبلبل کے افسانے نہیں بیان کرتا۔ میں تو جبریل امیں کا ہم داستاں ہوں۔میرا فقر میرے لئے سامانِ کلیم ہے۔ میں اپنے ہنر سے کلیمی کا کام لیتا ہوں اور میری درویشی شہنشاہی سے کہیں برتروافضل ہے۔

بکوئے دلبراں کارے ندارم
دل زارے غم آیارے ندارم

Marfat.com
Marfat.com

نہ خاک من غبار رہگذارے
نہ درخاکم دل بے اختیارے
بجبریل امیں ہم داستانم
رقیب و قاصد درباں ندانم
مرا با فقر سامانِ کلیمؑ است
شہنشاہی جم زیر کلیمؑ است

اگر میں خاک ہوں تو ایسی خاک جو صحرا کی وسعتوں میں نہیں سما سکتی۔ اگر میں آب ہوں تو ایسا پانی کہ دریاؤں کی وسعتیں اس کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ اگر میں شیشہ ہوں تو ایسا کہ جس سے پتھر کا دل لرزتا ہے۔ افکار لامحدود اور لامتناہی ہیں۔ مرے افکار کی موج ساحل نا آشنا ہے۔

اگر حاکم بصحرائے نہ گنجم
اگر آبم بدر یائے نگنجم
دل سنگ از زجاج من بلرزد
یم افکارِ من ساحل نہ ورزد
دمے در خویشتن خلوت گزیدم
جانے لازوالے آفریدم

اقبال کو اپنے منصب فقر کا بجا طور پر احساس تھا۔ اور اس بات کی بھی فکر تھی کے ان کے بعد کوئی صاحب فقر، دانائے راز آتا ہے کہ نہیں۔ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں انہوں نے اس کیفیت کا اظہار تمنائی انداز میں اس طرح فرمایا۔

سرورِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روز گارے ایں فقیرے
وگر دانائے راز آید کہ ناید

اقبال کو توقع تھی کہ ان کے جانے کے بعد آنے والی نسلیں ان کے اشعار کو پڑھیں گی۔ ان اسرار و معانی تک پہنچیں گی اور کہیں گی کہ ایک مرد خود آگاہ نے ہماری دنیا میں اپنے حیات آفریں پیغام سے انقلاب برپا کر دیا۔ مگر آنے والی نسلوں کو پیغام اقبال سے بیگانہ دد یکھ دل خون ہوتا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

پس ازمن شعر می خوانند ودریا بندو میگویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

وہ دانائے راز، مرد قلندر جس کا سرمایہ فقط دو حرف لا الہ تھا ہم سے یہ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

عمر ہا در کعبہ و بتخانہ می نالد حیات
تاز بزم عشق یک دنائے راز آید بروں

اور بزم عشق اب تک کس دانائے راز کے لئے ترستی ہے۔

کون ہوتا ہے حریف مے مرد افگنِ عشق
ہے مکرر لب ساقی پہ صلا میرے بعد

Marfat.com
Marfat.com

فقر و تصوف

تصوف کے بارے میں بڑی گمراہی پھیلائی گئی اور اسے خلاف اسلام قرار دیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ اقبال کو بھی مخالف گردانا جانے لگا۔ فی الحقیقت یہ سب گمراہی اسلام دشمنوں کی پھیلائی ہوئی ہے۔ اور اس مسموم پروپیگنڈے سے وہی ذہن متاثر ہوئے جو تصوف اور تعلیمات تصوف سے بے بہرہ و جاہل اور حقیقت اسلام سے ناواقف ہیں۔

تصوف عین اسلام، روحِ اسلام ہے۔ تصوف اسلام کا حسن و جمال ہے۔ تصوف اسلام کا کمال ہے۔ تصوف الا للہ الدین الخالص (یاد رکھو اللہ کے لیے ہے دین خالص) کی تصدیق ہے تصوف اِلٰی ربک کَدْحًا فملقیه (الاشقاق ع) اپنے رب کی طرف خوب محنت کر پس تو ملنے والا ہے اسکے ساتھ) کی تفسیر ہے تصوف و تبتل الیه تبتیلا (المزمل) (اور ہر طرف سے منقطع ہو کر اس کی طرف ہو جا) کی تعمیل ہے۔ اور الٰی ربک منتھٰھا (النزعات) (تیرے رب کی طرف ہے اسکی انتہا) کے مطابق رب تک پہنچنے کی راہ ہے فقر راہ تصوف ہی کی آخری منزل ہے اس لئے تصوف کا تعارف کرائے بغیر فقر کا بیان مکمل نہیں ہوگا۔ لفظ تصوف کے بارے میں متعدد آرا ہیں۔ اول یہ ہے کہ تصوف صوف سے مشتق ہے جو ایک طرح کا موٹا اونی کپڑا ہے۔ لباس صوف پہننے کا فعل تصوف ہے۔ صوفی صوف پہننے والے کو کہتے ہیں۔ صوف کا لباس فقر کی علامت ہے دنیا و مافیھا سے بے نیازی کی نشانی ہے۔ رسول کریم علیہ الصلوۃ و تسلیم اور آپ کے صحابہ کرامؓ یہ لباس پہنتے تھے۔

حضور سید عالم ﷺ کا فرمان ہے۔ علیکم بلبس الصوف تجدون حلاوۃ الایمان فی قلوبکم (تم صوف کا لباس اختیار کرو اپنے دلوں میں حلاوت ایمان پاؤ گے"

تصوف کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ تصوف اصحاب صفہ سے نکلا ہے۔ صحابہ کرامؓ کی وہ جماعت جو حضور سید عالم ﷺ کی خدمت میں ہمیشہ رہا کرتی تھی۔

ان کی تعداد ۷۰ اور ۸۰ کے درمیان تھی۔ مسجد نبوی کے باہر ایک سایہ دار چبوترہ پر قیام رکھتے تھے۔ فقر و فاقہ پر قانع متوکلانہ زندگی گزارتے تھے۔ حضور سرور عالم ﷺ کی بارگاہ میں ہمہ وقت حاضر رہ کر علم دین حاصل کرتے۔ اخلاق حسنہ سیکھتے اور آفتابِ نبوت سے اکتساب نور کرتے۔ ایک اور قول یہ ہے کہ صوفی "صفا" سے مشتق ہے۔ تصوف صفائے قلب حاصل کرنے کا نام ہے۔

حضرت بشر حافیؒ فرماتے ہیں۔ جو شخص خدا کے ساتھ دل صاف رکھے وہ صوفی ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

صاف شو باحق نہان و آشکار
صوفیانِ صاف را ایں است کار

تصوف کے بارے میں عظیم اصفیاء کی آرا ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت معروف کرخیؒ فرماتے ہیں۔ ''حقائق کو گرفت میں لانا حقائق پر گفتگو کرنا اور خلائق کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیاز ہو جانا تصوف ہے۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں۔ ''صوفی وہ ہے جس نے تمام کائنات میں سے اللہ تعالیٰ کو پسند کیا'' اور حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں۔ ''صوفی وہ ہے جس کا دل کدورت سے خالی اور تفکر سے پر ہو اور قرب خداوندی میں ماسوی اللہ سے منقطع ہو اور اس کی نگاہ میں خاک اور سونا برابر ہوں''۔

حضرت ابوبکر شبلیؒ فرماتے ہیں'' درگاہِ الٰہی میں بے غم بسر کرنے کا نام تصوف ہے۔'' حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں۔ ''صوفی وہ لوگ ہیں جن کی روح بشیریت کی کدورت سے آزاد ہو گئی ہو اور آفتِ نفس سے پاک ہو اوہوس سے خالص ہو گئی ہو۔ یہ لوگ صف اول اور درجہ اعلیٰ میں خدا سے قربت حاصل کئے ہوئے ہیں۔ صوفی غیر اللہ سے بھاگتے ہیں اور وہ کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں نہ مملوک۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں'' تصوف معرفتِ حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنے کا نام ہے۔ صوفی وہ ہے جو خلتِ ابراہیم علیہ السلام، تسلیمِ اسماعیل علیہ السلام، اندوہِ داؤد علیہ السلام، صبرِ ایوب علیہ السلام، شوقِ موسیٰ علیہ السلام اور اخلاص و اخلاقِ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ و تسلیم حاصل کرے۔'' حضرت ابومحمد مرتعشؒ فرماتے ہیں۔ ''تصوف حسن خلق کا نام ہے۔''

ایک قول ہے الطرق الی اللہ بعددِ النفس الخلاق۔ اللہ کی طرف راہیں مخلوقات کی جانوں کی تعداد کے برابر ہیں اور اللہ تک پہنچنے کا ہر راستہ تصوف ہے۔ اس کے لیے طریقت کی اصطلاح بھی وضع ہوئی ہے۔ طریقت کے بارے میں اقبال فرماتے ہیں۔ ''طریقت شریعت کو قلب و روح کی گہرائیوں میں محسوس کرنے کا نام ہے گویا طریقت جانِ شریعت ہے۔ وہ شخص جو احکام الٰہی کو اپنے قلب و روح کی گہرائیوں میں محسوس کر کے محسن بنتا ہے وہی صوفی ہوتا ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

اصلِ تصوف

تصوف کی اصل احسان ہے جو سچی توجہ الی اللہ سے عبارت ہے۔
حضور سید عالم ﷺ نے احسان کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے۔

اَن تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یر اک

تو اللہ کی عبادت اسطرح کرے کہ تو اسے دیکھتا ہے پس اگر تو نہیں دیکھتا تو پس تحقیق وہ تجھکو دیکھتا ہے۔
اسلامی فقر کی رو سے جملہ ظاہری و باطنی کمالات کی اصل قلب کو ماسوی اللہ سے بے نیاز رکھنا اور اس جلیل اکبر کے علاوہ کسی کا گزر اپنی گزرگاہ دل سے نہ ہونے دینا ہے۔ جب محبوب حقیقی بندہ حق کے یہاں خانہ دل میں آباد ہو جاتا ہے تو اس کا سارا جلال و جمال قدرت و عظمت، خزائن و مدائن بندہ حق کے دل میں اتر آتا ہے۔ اور وہ اپنی ذات و صفات سے فنا ہو کر حق تعالیٰ کی ذات وصفات سے زندہ اور باقی ہو جاتا ہے۔ گویا تصوف اس زینے کا نام ہے کہ جس پر چڑھ کر انسان جملہ کمالاتِ صوری و معنوی کی معراج حاصل کر سکتا ہے اور اس دنیا میں اپنی مقصد حیات کما حقہ پورا کر سکتا ہے۔

تصوف علم و عمل و احسان سے عبارت ہے:۔

علم کے بغیر عمل ناممکن ہے عمل کے بغیر علم بے سود اور علم و عمل دونوں احسان کے بغیر ناقص ہیں جب تک صدق توجہ اور اخلاص نیت نہ ہوگی عمل سے کوئی فائدہ نہ ہوگا جب تک عمل سود مند نہ ہوگا علم کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ اس لئے علم و عمل کے ساتھ احسان کا تعلق جسم کے ساتھ جان کا تعلق ہے حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں۔

من تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق و من تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق ومن جمع بینھما فقد تحقق

جو صوفی بنا اور علم سے بے بہرہ رہا زندیق ہوا اور جس نے علم دین حاصل کیا مگر تصوف حاصل نہ کیا فاسق بنا اور جس نے دونوں کو حاصل کیا پس اس نے حق ادا کیا الغرض تصوف اسلام سے الگ کسی مذہب یا مکتبِ فکر کا نام نہیں بلکہ عین اسلام ہے۔ تصوف اسلام کی جان ہے۔ اسلام کا حسن و جمال ہے۔ اسلام کا کمال ہے۔ تصوف دینِ خالص کا نام ہے۔ یہ قرب الٰہی کے حصول کی تگ و دو اور ہر طرف سے کٹ کر اللہ ہی کا ہو رہنے کا نام ہے۔ تصوف ارتقائے انسانی کی آخری منزل تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ تصوف حصولِ فقر کا ذریعہ ہے۔ تصوف سراپا فقر بننے کا طریقہ ہے، بلکہ تصوف فقر ہی کا دوسرا نام ہے۔

Marfat.com
Marfat.com

تصوف کے لوازمات

تصوف قد افلح من زکھا (الشمس) تحقیق فلاح پائی اس جس نے تزکیہ نفس کیا۔ افزائش پاتا ہے اور وقد خاب من دسھا (گمراہ ہوا جس نے بگاڑ دیا اپنے نفس کو) سے عبرت حاصل کرتا ہے۔

واما من خاف مقامه ربه ونهی النفس عن الهوی فان الجنة هی الماوی (اور جو ڈرا اس بات سے کہ اسے ایک دن اپنے رب کے حضور کھڑا ہونا ہے اور (اس خوف کے سبب) جس نے ہوائے نفس سے اجتناب کیا پس تحقیق اس کا ٹھکانہ جنت ہے) اسے متاثر ہو کر سوائے نفس کی گردن پر مجاہدہ کی چھری چلاتا ہے۔

یا یتها النفس المطمئنة ارجعی الیٰ ربک راضیة مرضیة فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی

(اے نفس مطمئنہ چلا آ اپنے رب کی طرف تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش ہے پس شامل ہو ساتھ میرے خاص بندوں کے اور داخل ہو جا جنت میں) کی بشارت سے از خود رفتہ ہو کر آگے بڑھتا ہے۔

انّ صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰه رب العلمین (الانعام)

(یقیناً میری نماز، میری قربانیاں اور میرا مرنا اور میرا جینا اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے) کا ورد کرتا ہوا صبغۃ اللہ کے رنگ میں رنگین ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے

والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا (العنکبوت)

اور جن لوگوں نے مجاہدہ کیا ہماری راہ میں ہم ان کو اپنی راہ دکھا دیں گے۔

غیر کا وجود محض ذہنی اور وہمی ہے۔ اقبال نے کہا کہ

خویشتن را غیر خود پنداشت است
اور ساز دار خود پیکر اغیار را

یہاں غیر خود اور از خود پیکر اغیار کی تراکیب قابل غور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انائے مقید انائے مطلق کا غیر نہیں لیکن چونکہ وہ یقین کے پردے میں ہے اس لئے غیریت کا رنگ پیدا ہو گیا ہے۔ جب تک یہ پردہ قائم ہے انائے مقید اپنے آپ کو انائے مطلق کہہ نہیں سکتا۔ اس لئے غیر سمجھا جاتا ہے۔ اقبال کہتے ہیں کہ انائے مطلق نے از خود پیکر اغیار اس لئے تراشا تا کہ کائنات کی رونق بڑھائے۔ اس محفل کی رونق لذت پیکار کے دم سے ہے۔ خدا نے نبی آدم کو پیدا کیا اور ان کی ترقی کے لیے تصادم اور پیکار کو شرف قرار دیا اقبال کے نزدیک یہ جنگ و جدل اور خونریزی جو بظاہر مذموم دکھائی دیتی ہے حقیقت میں عین حیات ہے نظام عالم میں ارتقاء کا عمل اسطرح جاری رہا

Marfat.com
Marfat.com

ہے کہ ایک گل سرسبد کے کھلنے کیلئے سینکڑوں گلستانوں کا خون ہوا۔ یعنی فطرت نے لاکھوں گلشن بنا کر بگاڑ ڈالے تب جا کر پھول میں یہ رعنائی اور دلکشی پیدا ہوئی۔ ایک بلبل کے نغمہ شیریں کی تخلیق میں لاکھوں برس تک بلبلیں پیدا ہوتی رہیں اور مرتی رہیں۔ انسان نے لاکھوں برس بولنے کی کوشش جاری رکھی، کروڑوں الفاظ کا خون کیا تب اسے ایک لفظ کو صحیح طور پر ادا کرنا آیا۔ یہ سب اس لیے کہ جمال معنوی کے اظہار میں اتمام وکمال کے لیے ہر شے تنازع للبقا میں مصروف پیکار ہے۔ اس تنازع کا نتیجہ بقائے اصلح کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے یعنی وہی اشیاء باقی رہ جاتی ہیں جو اصلح ہوتی ہیں۔

جن سے دوسروں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس ارشاد ربانی کے مصداق کہ

وَامّا ما ینفعُ الناس فیمکث فی الارض

''اور جو شے انسانوں کے لئے نفع رساں ہوتی ہے پس وہ زمیں میں قائم رہتی ہے۔ کائنات میں حصول مقصد کے لیے مسلسل جدوجہد کرنی پڑتی ہے بلکہ زندگی نام ہی جہد مسلسل کا ہے۔ کائنات میں ہر لمحہ ہر جا، ہر شکل میں انائے مطلق کے جلال و جمال کی جلوہ نمائی ہو رہی ہے۔ اللہ نور السموت والارض۔

اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔

کائنات کا ذرہ ذرہ حق تعالیٰ کی جلوہ گری کا مظہر ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ بھلا ایسا کیوں ہے انائے مطلق نے ایسا کیوں کیا؟ اقبال کہتے ہیں کہ ظہور و تجلی حق تعالیٰ کی ذات کا تقاضا ہیں۔ انائے مطلق اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی خو ہے اور کائنات کے ذرے ذرے میں اسی کی قوت پنہاں ہے۔

وانمودن خویش راخوئے خودی است

خفتہ در ہر ذرہ نیر وئے خود ی است

انائے مطلق کی کارفرمائیوں کے اظہار کے بعد اقبال انائے مقید کی طرف آتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ انسانی خودی جس قدر مضبوط و مستحکم ہوگی اسی قدر اس میں انائے مطلق کا رنگ پیدا ہو جائے گا۔ جس طرح قطرہ اپنی خودی کے استحکام سے گوہر بن جاتا ہے، موج جب تک بحر کے کندھوں پر سوار رہتی ہے، موج کہلاتی ہے۔ اگر وہ سطح بحر سے سر نہ ابھارے تو اس کا وجود متحقق نہ ہوگا۔

ہستم اگر می روم گر نروم نیستم

پہاڑ اگر اپنی خودی کھو دے اور ذرات میں منتشر ہو جائے تو صحرا بن جائے اور سیل دریا کی تاب نہ لا سکے۔ الغرض جو شے جسقدر استوار و مضبوط ہوگی اسی قدر زندہ ہوگی استواری کے لئے پہلے اپنے ہونے کا احساس ضروری ہے اور یہی احساس جسقدر قوی تر ہوگا اسی قدر خودی مضبوط تر ہوگی۔ پس بقدر استواری زندگی است جب انسانی

Marfat.com
Marfat.com

خودی اپنے آپ کو مستحکم کر لیتی ہے تو اس میں بے اندازہ قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ استواری سے قبل اگر وہ نہر کی طرح تھی تو بعد از استواری بحر بیکراں بن جاتی ہے۔

چوں خودی آرد بہم نیروئے زیست
می کشاید قلزمے از جوئے زیست

اسرار خودی کے دوسرے مبحث کا عنوان ہے۔ حیات خودی مقاصد کی تخلیق و تولید کے دم قدم سے ہے اقبال کے نزدیک انسانی خودی حصولِ مقصد کی لگن سے زندہ تر ہوتی ہے۔ زندگی کی بقا اسی میں ہے کہ کوئی واضح مقصد حیات سامنے ہو اور حصول مقصد کے لئے آرزو اور لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر مخص مقصد متعین ہو اور اس کے حصول کی تڑپ دل میں نہ ہو تو مقصد حاصل نہیں ہو سکتا اقبال کہتے ہیں کہ مقصد و مدعا بقائے حیات کے ضامن ہیں یہ کارواں حیات کے لئے بانگ درا کا کام کرتے ہیں۔

زندگی آرزو و جستجو میں مضمر ہے
اپنے دل میں آرزو کو زندہ رکھ ورنہ تری
مشتِ خاک بدن ترا مزار بن جائیگی
آرزو اس جہانِ رنگ و بو کی جان ہے

اس کائنات میں ہر شے کی فطرت امین آرزو ہے آرزو، تمنا، دل کو زندہ رکھتی ہے۔ مدعا اگر ہمارے رخش حیات کی مہمیز بن جائے تو ہمارا شبدیز مانند صرصر اڑنے لگے اور ہماری مخفی قوتیں برق رفتاری کے ساتھ اپنی منزل کی طرف لے جائیں۔

مدعا ہمارے رگوں میں گردش خون کو تیز تر کر دیتا ہے۔ یہ ہمارے ساز ہمت کی مضراب ہے۔ مدعا ایک ایسا مرکز و محور ہے کہ جو ہر قوت کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے۔ اپنے مقصود و محبوب کا دیوانہ بن جا اور اس مدعا کے لئے پروانگی اختیار کر تا کہ تیری رسائی منزل مقصود تک ہو۔

مدعا گرد اگر مہمیز ما
ہمچو صرصر می رود شبدیز ما
گردش خونے کہ در رگہائے ماست
تیز از سعی حصول مدعا ست
مدعا مضراب ساز ہمت است
مرکزے کو جاذب ہر قوت است

Marfat.com
Marfat.com

شاہد مقصود ذرا دیوانہ شو
طائف ایں شمع چوں پروانہ شو

کیونکہ جس دل میں خلش خار آرزو نہیں وہ دل رمقِ حیات سے عاری ہے۔

اگر زرمز حیات آگہی محو دیگر
دلے کہ از خلش خارِ آرزو پاک است

زوال بندہ مومن کا سبب بیان کرتے ہوئے اقبال فرماتے ہیں کہ ایک شب میں نے خدا کے حضور زار و قطار روتے ہوئے فریاد کی۔ خدایا مسلمان آج کیوں ذلیل وخوار ہیں، آواز آئی کیا تو نہیں جانتا کہ یہ نامراد قوم دل رکھتی ہے مگر دلدار نہیں رکھتی۔

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرازار ند و خوارند
ند آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دار ندو محبوبے ندار ند

ہمارے دشت روح کی تنگ دامانی اور محمل دل کی بے لیلائی نے ہماری بزم کو صاحبِ جنوں سے محروم کر رکھا ہے۔

قیس ماسودائی محمل نشد
درجنونِ عاشقی کامل نشد
قیس پیدا ہو تری محفل میں یہ ممکن نہیں
تنگ ہے صحرا ترا محمل ہے بے لیلیٰ ترا

مسلمانوں میں نماز روزہ قربانی حج جملہ اسلامی شعائر موجود ہیں لیکن ان کے دل آرزو سے خالی ہو چکے ہیں اس لیے وہ دنیا سے مٹ رہے ہیں۔

رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے
وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و قربانی و حج
یہ سب باقی ہیں تو باقی نہیں ہے

اقبال کے ہاں نیشِ آرزو کی بڑی اہمیت ہے۔ نیش آرزو کے بغیر نوش بادہ مقصد ممکن نہیں وہ بے نیشی آرزو کو مسلمانوں کے زوال کا سبب جانتے ہیں۔

Marfat.com
Marfat.com

طبیب عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

اقبال طلب کوشی کو حصول مقصد کی ضمانت سمجھتے ہیں اور مسلمان کو جادۂ استقامت پر ثابت قدم رہنے اور امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنے کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر تمہارے دل میں طلب صادق ہے تو منزل خود تمہارے قدموں میں آجائے گی۔

در طلب کوش مدہ دامنِ امید زدست
دولتے ہست کہ یابی سرراہے گاہے

اسرارِ خودی کے ضمن میں اقبال نے مقصد اور حصولِ مقصد کی لگن کی اہمیت واضح کرنے کے بعد یہ عنوان قائم کیا ہے کہ

''خودی عشق و محبت سے استحکام حاصل کرتی ہے''

محبت خودی کی استواری کا ذریعہ ہے انسانی خودی محبت سے زندہ تر، پائندہ تر، سوزندہ تر اور تابندہ تر ہو جاتی ہے۔ فطرتِ انسانی فطرتِ عشق سے آتش اندوز ہو کر عالم افروزی کا ہنر سیکھتی ہے۔ عشق انسان کو حیات دوام عطا کرتا ہے۔ نگاہ عشق سخت پتھروں کو پھاڑ دیتی ہے اور بندہ حق عشق الٰہی سے سراپا پرتو جمال حق بن جاتا ہے۔

از نگاہِ عشق خارا شق شود
عشقِ حق آخر سراپا حق شود

خودی عشق سے محکم ہو کر کائنات پر فرمانروا قوت بن جاتی ہے پھر اس صاحب فقر کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے جو اپنی خودی کا استحکام کر لیتا ہے اس کی انگلی کے ایک اشارے سے مہتاب شق ہو جاتا ہے۔ اس رزمگاہِ حیات میں اس حکم کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور جملہ شاہان جہاں اس کے تابع فرماں ہو جاتے ہیں۔

از محبت چوں خودی محکم شود
قوتش فرماندہ عالم شود
پنجہء او پنجہ حق می شود
ماہ از انگشت او شق می شود
در خصومات جہاں گردد حکم
تابعِ فرمانِ او دارا و جم

کلام اقبال میں عشق و محبت کے لئے بہت سے مترادفات و استعارات ملتے ہیں سوز و گداز، درد و شوق،

Marfat.com
Marfat.com

قلب ونظر، رقصِ جاں، نورِ جاں، دیدِ جاں، جذبِ دردں تمام عشق کے مترادفات ہیں۔ اور یہ اصطلاحیں اقبال کو اپنے مرشد روحانی مولانا روم سے ملی ہیں۔

آدمی دیداست باقی پوست است

دیدآں باشد کے دید دوستاست

مولانا روم فرماتے ہیں کہ آدمی تو فقط دید ہے باقی تمام پوست ہے۔ فقط ایک جذبہ محبت آدمی کی اصل حقیقت ہے جو اس کی روح ہے۔ اور فی الحقیقت دیکھتا وہی ہے جو نگاہ عشق سے دیکھتا ہے۔ اس لئے

جملہ تن را درگزار اندربہ سر

در نظر رو در نظر رو در نظر

اقبال مرشد رومی کی اتباع میں یوں گویا ہوتے ہیں۔

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں

ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

مرشد رومی نور جاں ہی کو انسان کی حقیقت قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میری ہستی کا راز میرے اندر پوشیدہ ہے لیکن ان ظاہری آنکھوں اور کانوں میں اسے جاننے کی صلاحیت نہیں کیونکہ وہ نور جان سے عاری ہیں اگر چہ بدن جان سے اور جان بدن سے مستور نہیں ہے مگر دیدِ جاں کا دستور ہی نہیں اس لئے کوئی زندگی کی حقیقت کو کیا سمجھے۔

سرِ من از نالہ من دور نیست

لیک چشم و گوش را آن نور نیست

تن زجان و جاں زتن مستور نیست

لیک کس را دیدِ جاں دستور نیست

مرید ہندی کہتے ہیں۔

وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جان پاک جسے

یہ رنگ و نم یہ لہو آب وناں کی ہے بیشی

زندگی جذبہ عشق کے بغیر ایک خالی جام ہے محبوب کی طلب وآرزو اس جام میں شراب ناب کا اثر رکھتی ہے جو رفتار حیات کو تیز تر کر دیتی ہے۔ زندگی کو جہد مسلسل اور عمل تسخیر بنا دینا عشق کا کام ہے عشق وہ افسوں ہے جس سے تسخیر کائنات کے معجزے ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ لیکن یہ طلب یہ لگن یہ آرزو کسطرح جنم لیتی ہے؟ اقبال کہتے

Marfat.com
Marfat.com

ہیں کہ زندگی ایک شکاری ہے جس کے لئے آرزو و شوق بمنزلہ ہتھیار ہیں۔ ہر وہ شے جو خوب و زیبا اور جمیل ہے دشتِ طلب میں میری دلیل ہے۔

ہر چہ باشد خوب و زیبا و جمیل
دربیاں بانِ طلب مارا دلیل

حسن پروردگارِ عشق ہے، حسن خلاق بہار آرزو ہے جلوہ حسن محبوب سینے میں آرزو کو جوان کرتا ہے۔ اس پیکر جمال و خوبی کا جلوہ حسن جسے قرآن نے عبدہ کہہ کر پکارا۔

اقبال بڑی نکتہ رسی سے عبد اور عبدہٗ میں فرق بیان کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ہم عبد تو تلاشِ خدا میں گم رہتے ہیں اور یہ انتظار ہمیں ستاتا رہتا ہے کہ وہ جمالِ دل فروز کب نقاب ہٹائے گا مگر عبدہٗ وہ ہے کہ حریمِ قدس میں اس کا انتظار ہوتا ہے اور محبوبِ ازل اپنے قدوسی مہمان کا منتظر ہے کہ کب وہ نزولِ اجلال فرماتے ہیں۔

عبد دیگر عبدہٗ چیزے دگر
ما سراپا انتظار او منتظر

معراج کی شب یہ قدوسی مہمان، یہ عبدہٗ، وہی ذاتِ اقدس و اعظم ہے جسے دنیا بھر کی صفاتِ کاملہ اور اوصافِ حمیدہ سے نوازا گیا۔ یہ اوصافِ حمیدہ ایسے ہیں کہ ان کے پرتو ہادیانِ عالم کو کلمہ جز اجز ابخشے گئے مگر اس مجمع حسن و خوبی کو وہ تمام اوصاف بدرجہء منتہی الکمال بخشے گئے۔

حسنِ یوسف ، دم عیسیٰ ، ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ان صفاتِ حسنہ اور اوصافِ حمیدہ و محمودہ میں سے ہر وصف باعثِ صد فخر و افتخار ہے مگر قربان جاؤں اس انسانِ کامل کے کہ وہ کہتا ہے الفقر فخری (فقر ہی پر مجھے فخر ہے)

بوریا ممنونِ خوابِ را حتش
تختِ کسریٰ زیر پائے امتش
اللھم صل علی محمد کما صلیت علی ابراہیم
بروح اعظم و پاکش درودِ لا محدود

Marfat.com
Marfat.com

محمد اشفاق چغتائی عاشق رسول تھا۔ وہ میانوالی کا ایک ایسا سپوت تھا جس پر ہم میانوالی کے لوگ بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ وہ میرا بہت بڑا عزیز اور پیار کرنے والا تھا۔ لیکن جب مجھے وزارت ملی تو اس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا اور کہا کہ حضور! آپ سرمایہ داروں کی حکومت میں شامل ہو گئے ہیں۔ جب آپ حکومت سے علیحدہ ہو جائیں گے تو میں آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں گا۔

مولانا عبدالستار خان نیازی

Marfat.com
Marfat.com